اہل قرآن و اہل حدیث

تصویر کا دوسرا رخ

مولانا محمد عبید القوی

فتنۂ انکار حدیث

ایک سرسری جائزہ

پیش کردہ دراجلاس

هيئة الشريعة ٹامل ناڈو

بتاریخ ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ م ۲۶/ اگست ۲۰۰۰ء

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

احوال واقعی

انکار حدیث کا فتنہ ادھر کچھ دنوں سے مختلف عنوانات اور مختلف مباحث کے در پردہ تیزی سے پھیلتا جا رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس فتنے کی داغ بیل ڈالی تھی ان کا مطلوب حالانکہ نا قدرا تھا۔ جس میں گفت و شنید اور بحث و مباحثے کے بعد اصلاح کی کچھ نہ کچھ توقع تھی لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں میں اب اس نظریے و تحریک کی باگ ڈور ہے ان کا طریق کار انتہائی جاہلانہ و ظالمانہ ہے۔ جس پر ضد و عناد و بے تہذیبی کا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ نتیجتاً قبول حق و ہدایت کے امکانات موہوم ہو گئے ہیں۔ عوام الناس کے دین اور علماء دین سے دوری نے اس کو مزید تقویت پہنچائی ہے۔ ... ابھی میں ہمارا ممبئی کا سفر ہوا وہاں باوثوق ذرائع سے ایک ممل پوسٹر ملا جس کی بابت معلوم ہوا کہ یہ دو ڈاکو و مریدو بخاری کے نام سے منکرین حدیث کی جانب سے چھاپا گیا ہے۔ جس کے بدقسمت ناشرین نے جس میں قرآن کریم کے علاوہ احادیث شریفہ کو بھی شامل کر کے ایک بیا دین وضع کرنے کا ان حضرات — رضی اللہ عنہما وعنہما — پر الزام لگایا ہے۔ یعنی رسوائی سے اور یوں سے بات آگے بڑھ کر تحریر و تصنیف تک پہنچ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حفاظت فرمائے۔ ملت پر بہت ہی برا وقت آ پڑا ہے۔ باطل کے چوطرفی حملوں کا علماء کرام کو سامنا ہے اور انہیں تمام ہی محاذوں پر کام کے لئے کمربستہ ہو جانا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں عوام و علماء میں بیداری مہم کے طور پر ۲۶/اگست ۲۰۰۰ کو تحصیل ناڈ و کے قصبہ ''میل وشارم'' میں واقع مدرسہ مفتاح العلوم میں ایک تربیتی کیمپ منعقد کیا گیا تھا۔ راقم الحروف کو بھی از راہ حسن ظن اس پروگرام میں مدعو کیا گیا تھا۔ راقم نے اس اجلاس میں جو مختصر سا مقالہ انتہائی عجلت میں مرتب کر کے پیش کیا تھا وہ ہدیہ ناظرین ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو اپنے کرم سے عام و تام فرمائے۔ آمین

محمد عبد القوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

قال اللہ تبارک و تعالیٰ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابی قیل ومن ابی یارسول اللہ قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابی

محترم علماء کرام اور قابل قدر طلبہ علم دین!

اسلام کیا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین اسلام قرآن و سنت کے مجموعہ کا نام ہے۔ اسی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ایمان والوں کے اوپر لازم و واجب ہے۔ ہمارے علماء و فقہاء نے اصول کی کتابوں میں اس کی صراحت کی ہے اور اس پر قرآن و حدیث کی بے شمار آیات و روایات شاہد ہیں۔ اسی وجہ سے قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے پہلے مخاطب، حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک اُمت با جماع و اتفاق اسے اپنا عقیدہ اور اس کے انکار کرنے والے کو قرآن و حدیث کا منکر اور خارج از اسلام یقین کرتی آئی ہے۔

نبی کون ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور سب سے آخری رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر اپنی سب سے آخری کتاب قرآن مجید اتاری ہے اور قرآن کریم آپ کے رسول الٰہی ہونے کی تصدیق کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، بغیر رسول پر ایمان کے معتبر نہیں اور اللہ

تعالیٰ کی اطاعت بغیر رسول کی اطاعت کے قابلِ قبول نہیں۔ رسول کو اسی لئے بھیجا جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ صرف اس لئے نہیں کہ پیغام رسانی کر کے اللہ اور بندوں کے درمیان سے ہٹ جائے۔ یا جیسی حیاتِ بندوں پر لعنت و حکومت کر کے وفات کے بعد اپنی اطاعت کے حق سے محروم ہو جائے۔ کیونکہ نبی اور رسول خاص اسلامی اصطلاح اور منصب ہیں۔ مختلف اللہ اس کی ذمہ داریاں یہ ہوتی ہیں۔

نبی کی چند اہم ذمہ داریاں

۱) اللہ تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچانا۔

کما قال اللہ تعالیٰ یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے (لوگوں تک) پہنچا دیجئے) ما علی الرسول الا البلاغ المبین (رسول کے ذمہ تو بس بلاغ مبین ہے)

۲) اس پیغام کی تشریح و تبیین کرنا۔

کما قال اللہ تعالیٰ وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم (ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو جو نازل ہوا ہے کھول کھول کر بتلا دیں)

۳) اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اس پیغام پر عمل کرنا۔

کما قال اللہ تعالیٰ ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا (پھر ہم نے آپ کو ایک خاص طریقہ پر کر دیا پس آپ اس طریقہ ہی کا اتباع کیجئے) اتبع ما اوحی الیک من ربک (جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کیجئے)

۴) اللہ کے کلام کو پڑھ کر سنانا، قرآن کریم اور حکمت (وحی غیر متلو) کی تعلیم دینا اور عقیدہ و عمل و منشاء الٰہی کے مطابق ظاہر و پاکیزہ بنانا۔

کما قال تعالیٰ کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم ایاتنا ویزکیکم ویعلمکم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون (جس طرح ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہیں

(گناہوں سے) پاک کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں (اور اس کے علاوہ) جو تم نہیں جانتے تھے وہ بھی سکھاتے ہیں)

۵) امت کو اپنی اتباع و اطاعت کی دعوت دینا

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم (اے لوگو! جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی اتباع کرو)

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی (آپ کہہ دیجئے اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو)

ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ (یہ میرا راستہ سیدھا ہے پس تم اس کی اتباع کرو)

۶) حلال و حرام کی تعیین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام کرنا

یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبائث (وہ (نبی) تم کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں بری باتوں سے روکتے ہیں پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیتے ہیں اور گندی چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں)

مذکورہ بالا چند آیات سے معلوم ہو گیا کہ رسول کی حیثیت محض کسی پیغام رساں اور ڈاکیہ کی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین پر اس کے منشاء و مراد کو نافذ کرنے والے حاکم کی حیثیت ہے۔

نبی قرآن کی نظر میں

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم، سیرۃ و اخلاق کا مل و مکمل بنایا۔ انک لعلی خلق عظیم (۱) فرما کر آپ کی فکر و نظر، علم و عمل اور دیانت و امانت وغیرہ تمام صفات و اوصاف کو سند کمال و افتخار عطا کیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (۲) فرما کر پوری زندگی کی ہر حرکت و سکون پر مہر تحسین و تصدیق ثبت فرما دی۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (۳) فرما کر آپ کی زبان مبارک سے صادر ہونے والے تمام کلمات کو صحت و صداقت کی ضمانت عطا کی۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ (۴) فرما کر آپ کی بیعت کو اپنی بیعت

مَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللهَ (٥) کے ذریعہ آپ کی اطاعت کو بلا شرکت اپنی اطاعت قرار دیا وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللهَ رَمَىٰ (٦) فرما کر آپ کے عمل کو اپنا عمل اور آپ کی زبان سے فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ کہلوا کر آپ کی اتباع کو اپنی محبت کا وسیلہ قرار دیا۔ یہ اعلان فرمایا کہ رسول اسی لئے بھیجے جاتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کی جائے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ (٧) آپ کی اطاعت کو بندوں پر فرض فرمایا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (٨) آپ کے ساتھ برابری اور عامیانہ سلوک کرنے کو حرام اور آپ کے مرتبہ کے احترام کو فرض قرار دیا۔ مثلاً النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ (٩) لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا (١٠) لَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (١١) لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللهِ وَرَسُولِهِ (١٢) وغیرہ

بہرحال ان تمام آیات قرآنیہ کی روشنی میں ہمیں یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ نبی صرف "پیغام رساں" یا "مرکزِ ملت" یا "امامِ وقت" نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب الاتباع ہادی و رہبر ہوتا ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایمان کے بغیر اپنے اوپر ایمان کو اور اس کی اطاعت کے بغیر اپنی اطاعت کو ناقص و نامکمل اور غیر معتبر قرار دیا ہے اور جس طرح اپنی کتاب کے بارے میں إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ فرمایا اسی وجہ سے اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ دین قرآن و حدیث کے مجموعہ کا نام ہے۔ قرآن و حدیث کے درمیان وہی نسبت ہے جو قلب کو قالب سے اور جسم کو جان سے ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے مذہب اسلام اور دین حق کا تصور باطل ہے۔

نبی کی جاہلانہ تعریف

لیکن اُمت میں ہر زمانہ کے اندر ایسے گمراہ طبقات وجود میں آتے رہے ہیں جو مفادات حاصلہ یا عقل و رائے کے شکار ہو کر اُمت کے سوادِ اعظم سے خروج اور اپنے لئے دین و عبادت کی علاحدہ مسجد تعمیر کرتے ہیں اور جب دشمنانِ اسلام کو ایسی کسی شخصیت یا طبقہ کا پتہ چل جاتا ہے تو وہ

لوگ فوراً ان مسلوب التوفیق و محروم الہدایت افراد کے دماغوں اور دلوں میں اپنا جال پھینک کر انہیں اپنے قابو میں کر لینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات کے کتاب اللہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح معنوں میں عمل کے لئے ضروری ہونے کے سلسلہ میں کچھ ایسے لوگ اُمت میں پیدا ہو گئے، جو محض اپنی عقل و رائے کی بنیاد پر بلا کسی شرعی دلیل کے یہ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان بس ایک قاصد و پیغام رساں کی ہے اور ان کی اتباع من حیث الرسول واجب نہیں۔ بہ حیثیت امام یا بہ حیثیت مرکز ملت واجب ہے وہ بھی صرف حینِ حیات، اس لئے کہ (بزعم خویش) "اطاعت" زندہ کی فرمانبرداری کو کہا جاتا ہے اور جب ان کا وصال ہو گیا تو اب "اطاعت" کے امر کو پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

كما هو المستفاد من أفكارهم المطبوعة والمواهم المسموعة والعياذ بالله من هذه الضلالة والجهالة

تاریخ انکارِ حدیث

علامہ بدر عالم میرٹھیؒ نے صراحت فرمائی ہے کہ انکارِ حدیث کا فتنہ پہلی صدی ہجری کے بعد کی پیداوار ہے۔ معتزلہ اس کے بانی ہیں۔ موجودہ صورت شکل سے گو مختلف سہی مگر اس درخت کی جڑ اسی گمراہ فرقہ میں نظر آتی ہے۔ اس سے قبل تمام مسلمان بالاتفاق احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حجت شرعیہ اور اصل دین تسلیم کرتے تھے۔ حتیٰ کہ روافض، خوارج اور قدریہ جیسے فرقوں کو بھی اس سے اختلاف نہ تھا۔

اس باطل نظریہ کی بیخ کنی و تردید کا باقاعدہ کام سب سے قبل سیدنا الامام الشافعیؒ نے فرمایا پھر امام احمد ابن حنبلؒ، حافظ ابن قیمؒ، امام عراقیؒ، ابن حزمؒ اور حافظ محمد ابراہیم وزیرؒ، حافظ جلال الدین السیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس بے سر و پا خیال کا مضبوط رد اور اطاعت رسول کی واجبیت و اہمیت کا مستند اثبات کیا۔ اسی طرح بعد کے دور کے علماء میں ہمارے علماء دیوبند نے بھی ان تحریکوں کا زبردست تعاقب کیا ہے۔ چنانچہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی "تدوین حدیث"، علامہ حبیب

الرحمن اعظمی کی "نصرۃ الحدیث" مولانا تقی عثمانی کی "حجیت حدیث" مولانا رفیع عثمانی کی "کتابت حدیث" مولانا ادریس کاندھلوی کی "حجیت حدیث" جیسی مستقل تصنیفات منظر عام پر آ چکی ہیں۔ نیز مولانا احمد رضا بجنوری نے "مشکلات القرآن" کے مقدمہ میں، مولانا بدر عالم میرٹھی نے "ترجمان السنہ" میں اور دیگر اساتذہ حدیث نے اپنے دروس و شروحات میں ضمناً اس مسئلہ پر مختصر مگر مدلل و شافی کلام کیا ہے۔ اس طرح کسی متلاشی حق کو مزید تحقیق کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

معتزلہ چوں کہ اچھی معلومات اور خاصا علم رکھتے تھے۔ اس لئے اپنے پیدا کردہ اس جاہلانہ فتنہ کو زیادہ وضاحت سے [illegible] سکے اور انکار حدیث کی توجیہات و تاویلات کر کے اپنا کام چلاتے رہے ادھر امت میں خیر کے غالب ہونے اور علم و عمل اور علماء سے ربط کا عام رواج ہونے اور اس فرقہ کے عقائد خود اہلسنت والجماعت سے خارج ہونے کی وجہ سے امت ان کے ان خیالات سے بفضلہ تعالیٰ متاثر نہ ہوئی۔

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں

"بیسویں صدی کے آغاز میں جب مغربی اقوام کا سیاسی و نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بے حد مرعوب تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی بغیر "تقلید مغرب" کے حاصل نہیں ہو سکتی اور یہ کہ اسلام کے احکام "تقلید مغرب" کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اس لئے اس نے اسلام کو مغربی افکار کے مطابق بنانے کے لئے تحریف کا سلسلہ شروع کیا۔ کیوں کہ احادیث زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہیں امت کو اپنا پابند بناتی ہیں۔ پھر مغربی افکار سے متصادم بھی ہیں تو مغرب زدہ طبقہ نے اس کو اپنی مسلمانی آزادی کی راہ سے ہٹانا ضروری سمجھا۔ اس کام کے لئے کام کرنے والوں میں ہندوستان میں سرسید احمد خاں اور ان کے رفیق مولوی چراغ علی، مصر میں ڈاکٹر طٰہٰ حسین، ترکی میں ضیاء گوکالپ بنیادی طور پر معروف ہیں۔ گو کہ ان لوگوں نے احادیث شریفہ کا انکار نہیں کیا، لیکن تدریجی طریقہ کار کے طور پر مکمل انکار ہی کے مرتکب ہوتے۔

پھر اس نظریہ کو کسی قدر منظم طور سے عبداللہ چکڑالوی نے "اہل قرآن" کے نام سے ایک فرقہ قائم کر کے پروان چڑھایا جس کا مقصد حدیث کا مطلق انکار تھا۔ پھر اسلم جیراجپوری نے انکار مطلق کے نظریہ سے ہٹ کر اپنی طرف سے اس کو مزید ترقی دی۔ اس کے بعد جب غلام احمد پرویز نے اس نظریہ کی باگ ڈور سنبھالی تو "طلوع اسلام" کے نام سے اس نظریہ کو ایک منظم اور باقاعدہ نظریہ جماعت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ زبان و قلم کے ذریعہ بحث و مباحثہ کا دروازہ کھلا۔ آزادی و من مانی کو پسند کرنے والے طبقہ نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑی ہی مدت میں یہ نظریہ ایک مستقل نظریہ اور دعوت کی حیثیت سے پروان چڑھ گیا۔ جس تیزی سے عوام الناس میں علم دین اور بنیادی اسلامی معلومات کی کمی ہوتی جا رہی ہے اسی رفتار سے اس تحریک کو دن بدن ترقی ملتی جا رہی ہے۔ کم علم بلکہ دین کی حد تک بے علم لوگ چند آیات و احادیث کو لے کر بے بنیاد دعاوی اور نامعقول دلائل بلکہ انتہائی سطحی باتوں کے ذریعہ عوام الناس بالخصوص دین سے دور جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنے گمراہ کن خیالات کا حامی بنانے میں مشغول ہیں۔

پاکستان (جو تقریباً تمام گمراہ فرقوں کا گڑھ ہے) اس میں تو زور و شور سے ان کا کام جاری ہے۔ اتفاق سے ادھر قریب عرصہ میں انہیں بعض جید اہل علم و صاحب زبان و قلم لوگ اہلسنت والجماعت سے ہاتھ لگ گئے ہیں مثلاً علامہ تمنا عمادی پھلواری، حبیب الرحمن کاندھلوی۔ یہ حضرات پہلے اہلسنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے پھر شامت اعمال اور شومئی قسمت سے اس گڑھے میں جا گرے۔ انھوں نے اپنی تمام تر علمی صلاحیتوں کو اس فتنہ کی آبیاری اور اس نظریہ کی ترقی و اشاعت پر صرف کیا۔ متعدد تصانیف ان کے قلم سے منصۂ شہود پر آئیں۔ جن میں علمی خیانتوں کے ایک خاص طریقہ کار کے ذریعہ احادیث شریفہ اور حضرات محدثین کرام کے تیرہ سو سالہ اعتبار و اعتماد کو مجروح کرنے کی مذموم سعی اور ناپاک کوشش کی گئی ہے۔ ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سب ـــ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ـــ جانتے بوجھتے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کیا گیا ہے اور جس شوخ اور بے ادب زبان و قلم کا استعمال کیا گیا ہے وہ ناقابل بیان ہے[1] جس طرح

---

۱ یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ سرسری تبصرہ جذبات کے الفاظ ہیں اس لئے کہ اسماء الرجال ایک مستقل فن ہے اور اس کا پ

مشرکین قرآن کریم کو "اساطیر الاولین" سے زیادہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ یہ حضرات احادیث مبارکہ کے لئے "مذہبی داستانوں" اور "من گھڑت کہانیوں" سے زیادہ الفاظ استعمال کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کے دعاوی

اس گمراہ فرقہ کے دعاوی جیسا کہ عرض کیا گیا، متفرق و منتشر ہیں۔ اس کی کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گذری جو اس فرقہ کے بنیادی عقائد و نظریات کو واضح کر سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوگی کہ یہ فرقہ کھل کر مسلمانوں کا سامنا کبھی بھی نہ کر سکا۔ دبی زبان اور محتاط اسلوب میں اپنے مضامین اور خیالات کے درمیان کچھ ایسی باتوں کو ظاہر کر دیا کرتے ہیں جس سے ان احادیث کا ضعیف یا موضوع ہونا یا اس کے مفہوم و مطلب کا مشکل و متضاد ہونا ظاہر ہو۔ اس کے لئے مختلف مصنفین مختلف باتیں کہا کرتے ہیں۔ البتہ ان سب میں قدر مشترک احادیث شریفہ کی معروف حیثیت کو کمزور کرنا اور اس سے کسی طرح جان چھڑانا ہوتا ہے۔ اس لئے اب تک جو تصنیفات و رسائل منظر عام پر آ گئی ہیں وہ کسی حدیث یا کسی جزوی مسئلہ کی تحقیق کے زیر عنوان ہیں مثلاً حضرت عائشہ کی عمر بوقت نکاح، شب برأت کی حقیقت، سماع موتی، عذاب قبر، اختلاف آمت والی روایت کی تحقیق، موضوع احادیث، امام زہری اور امام طبری کے مسلک کی تحقیق اور رد اظہر سے متعلق چند عنوانات وغیرہ۔ البتہ بحیثیت مجموعی ان کے جو دعاوی ان کی تصنیفات سے مستفاد ہوتے ہیں۔ یا بوقت گفتگو جن کا اظہار ہوتا ہے وہ اس طرح ہیں

۱) قرآن کریم ہی اللہ تعالیٰ کی ایک محفوظ کتاب ہے اور تمام جزئیات و کلیات کو شامل ہے، بندے صرف اس کتاب کی اتباع کے پابند ہیں۔

۲) دین کی بنیاد ظن پر قائم نہیں کی جا سکتی اور احادیث کا پورا ذخیرہ ظنی ہے، اس لئے ان کی

موضوع اور اپنی رائے ہے جس کی رو میں ایسا اوقات بڑے بڑے علماء آتے ہیں۔ اُردو زبان میں اس کو معنی وضع ترجمہ سے۔ حقیقت کی ترجمانی ہوتی ہے اور نہ ہی اُردو ادب اس کا متحمل ہے۔ ان ہی الفاظ جرح کو بوقت ضرورت ہمارے علماء نے بھی اُردو کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن تعبیر میں بین فرق ہے۔

اتباع درست نہیں ہے (اس سلسلہ میں پھر ان کی مختلف فکریں ہیں)

۳) آپ ﷺ کی اطاعت مرکز ملت کی حیثیت سے واجب تھی نہ کہ حیثیت الرسالۃ نہیں تھی یا صرف آپ کے اُسوہ کا اتباع واجب ہے اقوال کا نہیں۔

۴) بہت سی احادیث قرآن کے خلاف ہیں، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوع ہیں اور یہ کہ محدثین خود اکثر ناقابل اعتبار ہیں۔

۵) احادیث تیسری صدی میں لکھی گئی ہیں اور وہ بھی یادداشت کی بنیاد پر اس لئے ان کا اعتبار مشکوک ہو گیا ہے۔

ان کے علاوہ بہت سی جزئیات ہیں لیکن وہ دراصل ان مفروضات کے اعتقاد کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہیں، اس لئے اس وقت صرف ان کا جائزہ لے لینا کافی ہوگا، اس لئے ہم ذیل میں ان میں سے ہر ایک دعوے کا حقیقی چہرہ قرآن کریم ہی کی روشنی میں دکھانے کی حتی المقدور کوشش کریں گے۔ وباللہ التوفیق

ان دعاوی کا مختصر تجزیہ

جہاں تک قرآن کریم کی جامعیت کا تعلق ہے تو اہل سنت والجماعت بھی اس کے قائل ہیں مگر اس تفصیل کے ساتھ کہ بلاشبہ قرآن کریم ایک جامع ترین کتاب ہے اور وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں میں سدہ کی بنیادی راہنمائی کے لئے کافی ہے مگر وہ اشارہ کی زبان ہے۔ اکثر کلی احکام پر اکتفا کرتی ہے گو کہیں کہیں جزئیات کا ذکر بھی آ گیا ہے تاہم وہ جزئیے بھی غور کیا جائے تو فی الحقیقت ایک کلیہ ہی ہوگا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ کے مقابلے میں صرف اصول اور احکام پر ہی ہیں۔ جن کی تشریح، صراحت اور عملی شکل واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے منشاء سے واقف اور اس کے ساتھ رابطہ وحی کی حامل کسی ہستی کا ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے اللہ تعالیٰ کی سنت ہمیشہ یہی رہی کہ انبیاء بغیر کتابوں کے بھی بھیجے گئے مگر کبھی کوئی کتاب بغیر نبی کے نہیں بھیجی گئی۔

۱) پہلے دعوے کا جواب

(الف) اگر نبی ﷺ کی تشریح کی ضرورت قرآن فہمی کے سلسلہ میں نہ ہوتی تو قرآن میں

آپ کو لتبین للناس فرما کر قرآن کریم کی تشریح کی ذمہ داری کیوں سونپی گئی۔ عام انسانوں کو خود ہی سمجھ لینے کا اختیار کیوں نہ دیا گیا۔ جب کہ کفار اس کا مطالبہ بھی کر رہے تھے حتیٰ تنزل علینا کتابا نقرءہ یعنی ہم اس وقت تک آپ کی بات نہ مانیں گے جب تک کہ خود ہم پر کوئی کتاب نازل نہ ہو جائے جسے ہم خود پڑھیں اور ولقد یسرنا القرآن للذکر اور تبیانا لکل شیء جیسی آیات کا مطلب وہی ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں کہ قرآن کے ہر مضمون کو ہر عامی و عالم آسانی سمجھ سکتا ہے اور یہ کہ قرآن میں تمام مسائل کا بیان موجود ہے اس کے لئے کسی شارح کی ضرورت نہیں تو پھر دونوں آیتوں میں تضاد ہوگا یعنی ایک آیت میں فرمایا گیا کہ قرآن بہت آسان ہے دوسری میں ارشاد ہے کہ اے نبی! آپ قرآن کریم میں کیا نازل ہوا ہے امت کو سمجھائیے۔ جس کا مطلب یہ کہ قرآن کریم آسان بھی ہے مشکل بھی ہے ظاہر ہے کہ دونوں آیتوں میں اختلاف ہے اور قرآن کہتا ہے لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا یعنی اگر یہ قرآن غیر اللہ کا کلام ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلافات پاتے، اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن میں اختلاف نہیں ہے۔ اس عقدہ کو آپ کو ان آیات کی تاویل کچھ نہ کچھ کرنی پڑے گی اور آپ کرتے ہی ہیں۔ اس صورت میں سوال پیدا ہوگا کہ اگر آپ کو تاویل و تفسیر کا حق حاصل ہے تو پھر رسول کو کیوں نہیں ہے؟ پھر اگر ایک تاویل آپ کریں، ایک تاویل نبی کریں تو اطاعت و قبولیت کے لائق آپ کی تاویل ماننی ہوگی یا نبی کی تشریح کا حق؟

(ب) نبی کی تشریحات سے بے نیاز ہو کر صرف قرآن کریم سے دین کے احکام کی تکمیل ممکن بھی نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن کریم میں بہت سی آیات مجمل اور مبہم ہیں، جن کی تشریح اگر نبی ﷺ نہ کر دیتے، یا ہم اسے قبول نہ کریں تو ان پر عمل کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ اگر لغت اور عربیت کی مدد سے ان کے مفہوم و معنی کو متعین کرنا چاہیں گے تو دین ایک مضحکہ خیز کھیل تماشہ کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہے گا۔ دیکھئے قرآن کریم نے "الصلوٰۃ" کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ صلوٰۃ لغت میں رحمت، دعا وغیرہ کے ساتھ ساتھ "تحریک الصلوین" یعنی سرینوں کو حرکت دینے کو بھی کہتے ہیں، اب اگر کوئی سر پھرا اسطرار قص کرنے کا نام "الصلوٰۃ" رکھنا چاہے تو قرآن کریم میں وہ کونسی دلیل ہے جس

سے آپ اس کو یہ باور کرا دیں کہ "الصلوٰۃ" کے یہ معنی نہیں ہیں اور اسلام میں صلوٰۃ ایک مخصوص طریقہ عبادت کا نام ہے؟ اسی طرح قرآن کریم میں "الزکوٰۃ" کی ادائیگی کا حکم ہے، لغت تو اس کے معنی صفائی پاکیزگی وغیرہ کے بیان کرتی ہے، اگر کوئی مالدار اپنے مال کو دھو دھلا کر صاف کرلے اور اس حکم پر عمل کا مدعی ہو جائے تو آپ کے نزدیک کس طرح اس کو اس سے روکا جا سکتا ہے، اور وہ کونسی آیت ہے جو صراحۃً یہ بتلائے کہ "الزکوٰۃ" کے کیا معنی ہیں؟ اس طرح "الصوم"، "الحج"، وغیرہ بے شمار احکام ہیں جس کی اتنی شکلیں اپنی اپنی عقلوں سے وجود میں آجائیں گی کہ مذہب ایک مذاق بن کر رہ جائے گا۔ چنانچہ خود صحابہ کرام صاحب زبان ہونے کے باوجود بہت سے احکام والفاظ کے ظاہر سے صحیح نہ سمجھ سکے۔ پھر اسی طرح بعض وقت اس کے الفاظ کو تو سمجھ گئے مگر اس پر عمل کی صورت اور اللہ تعالیٰ کی صحیح مراد کو سمجھنے سے عاجز ہو گئے۔ نبی ﷺ سے رجوع ہوئے اور تحقیق کی تو آپ کے ذریعہ صحیح صورت حال کا انہیں علم ہوا، جس کا ثبوت خود قرآن کریم میں موجود ہے، علامہ ابن قیم نے سینکڑوں سوال و جواب اس قسم کے اپنی کتاب "اعلام الموقعین" میں نمونے جمع کئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اولین مخاطبین قرآن یعنی صحابہ کرام کو بھی بعض جگہ اشتباہ ہوتا تھا اور نبی کی تشریح کے بغیر صحیح مراد تک پہنچ نہیں پاتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے پورے قرآن کریم کو آج ہر کوئی سمجھ سکتا اور عمل کر سکتا ہے تو صحابہ خود کیوں نہیں سمجھ کر عمل کر لیتے تھے اور نبی سے پوچھنے کی کیوں ضرورت پیش آتی تھی؟ اس لئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے احکام پر عمل کی صورتیں نبی پر وحی کی جاتی تھیں جس کو نبی قولاً وعملاً اپنی امت کے سامنے پیش کرتے تھے۔ انہی اقوال و اعمال کے مجموعہ کو حدیث کہا جاتا ہے، اب اس کا انکار کر کے قرآن پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔

(ج) قرآن کریم میں ہے وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء، اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے ساتھ بات کرنے کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں (۱) وحی (۲) پس پردہ خطاب (۳) بذریعہ قاصد پیغام رسانی، قرآن کریم بالاتفاق تیسری صورت کے ذریعہ پہنچا ہے، پہلی دو صورتوں کے

ذریعہ اللہ پاک نے اپنے نبی کے ساتھ جو کلام فرمایا ہے وہ وحی آخر کہاں ہے؟ اور اس پر عمل کے ضروری ہونے سے استثنیٰ کس دلیل سے ہے؟

(ر) قرآن کریم میں بہت سی ایسی باتوں کا حوالہ ہے جو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے، مثلاً وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا / علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم وغیرہ ان احکام پر نبی اور صحابہ کا عمل تھا، جب یہ احکام قرآن میں نہیں ہیں تو وہ صحابہ کرام کو کس طرح معلوم ہوئے تھے اور انھوں نے اس پر عمل کیسے کیا؟ معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی جامعیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی کا ہر ہر مسئلہ اس کے اندر صراحتہً بیان کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی کرتا ہے تو یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے نہ عقلی نہ نقلی۔ مذکورہ آیات اور ان جیسی بہت سے آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے احکام نبی نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو ایسے بھی دیئے جن کا کوئی ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے۔ پھر محض قرآن کریم پر عمل کر لینا اور احادیث رسول کو ترک کر دینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟

(د) خود قرآن کریم نے ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم تم کو دیں تو اسے لے لو اور جس کام سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی بھی اطاعت کرو۔ ان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول یعنی اگر تم واقعی صاحب ایمان ہو تو اپنے اختلافات اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو (پھر جو حکم ملے اس پر عمل کر لو)۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم آپ کے رب کی قسم! کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے اختلافات کو آپ کی خدمت میں پیش نہ کر دے پھر آپ کے فیصلہ پر سر تسلیم خم نہ کر دے وغیرہ۔ بہت سی آیات میں نبی کی اطاعت کا صریح حکم دیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ "منکر حدیث" سب سے پہلے "منکر قرآن" ہوتا ہے، پھر منکر حدیث۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی عامل بالقرآن منکر حدیث نہیں ہو سکتا اور کوئی منکر حدیث عامل بالقرآن نہیں ہو سکتا۔

۲) دوسرے دعوے کا جواب

یہ کہنا کہ احادیث ظنی الثبوت ہیں اس لیے اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ

(الف) یہ کیسے پتہ چلا کہ قرآن قطعی الثبوت ہے؟[1] اگر یہ کہا جائے کہ قرآن کریم کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے آیت انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون یعنی ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں، کے ذریعہ وعدہ کیا ہے تو پھر حدیث شریف کی حفاظت کا بھی اس میں وعدہ نکل آیا، اس لیے کہ قرآن محض الفاظ یا محض معنی کو نہیں کہا جاتا بلکہ "النظم و معنی" دونوں کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے "ذکر" کی حفاظت کا وعدہ فرمایا تو "بیان ذکر" کی حفاظت خود اس میں شامل ہوگئی۔ جب کہ دوسری آیات میں یہ بات اور بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ نیز اس بات کی کیا دلیل ہے کہ یہ آیت منزل من اللہ ہی ہے درمیانی لوگوں کا اضافہ نہیں ہے؟

(ب) پھر حفاظت قرآن والی آیت جس ترتیب اور جن ذریعوں سے ہم تک پہنچی ہے اسی ترتیب اور اسی ذریعہ سے احادیث رسول بھی پہنچی ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی شخص دو باتیں ایک کو قرآن کے نام سے دوسری کو حدیث کے نام سے بیان کرتا ہے تو آپ کہیں کہ آیت پہنچانے میں تو یہ شخص معتبر ہے، مگر حدیث پہنچانے میں اس کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کیا عقل و خرد اس ہٹ دھرمی کو تسلیم کر سکتی ہے؟

(ج) قرآن کریم میں ارشاد ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ان کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں بنایا ہے، دوسری آیت میں ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اے ایمان والو! اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، ادھر

[1] منکرین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ محض الزامی سوال ہے، ہمیں بفضل اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے قطعی الثبوت ہونے پر ذرہ برابر شبہ نہیں ہے بلکہ یقین واثق ہے مگر یہ سوال ان لوگوں سے اس لیے ہے کہ وہ اس واسطے کو مانتے ہی نہیں جس سے قرآن ہم تک پہنچا ہے۔

بقول منکرین حدیث اللہ تعالیٰ نے حفاظتِ حدیث کی نہ کوئی ذمہ داری لی ہے اور نہ اس کا کوئی انتظام کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ صدیوں کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف بنا کے اس پر ظلم کیا گیا ہے۔ آپ بتائیں کہ حفاظتِ حدیث کا انکار کر کے آپ اللہ تعالیٰ پر ظلم رکھنے کا الزام نہیں لگا رہے ہیں؟

۳) تیسرے دعویٰ کا جواب

اطاعتِ رسول سے متعلق آیات میں یہ تاویل کرنا کہ "آپ کی اطاعت مرکزِ ملت کی حیثیت سے واجب تھی" محض ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

(الف) اگر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول میں اطاعتِ مطلق کی —— جو تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے —— بلا دلیل تاویل کی جا سکتی ہے تو امنوا باللہ و رسولہ کی بھی کی جا سکتی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں رسول پر بحیثیت حاکم اور مرکزِ ملت کے ایمان لاتا ہوں "من حیث الرسول" نہیں لاتا تو کیا آپ اس کو تسلیم کر لیں گے؟ اور ہو سکتا ہے آپ اپنی بات رکھنے کو تسلیم بھی کر لیں مگر کیا اس کا کوئی جواز قرآن کریم سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ پس جس طرح "ایمان بالرسول" کے معنی من حیث الرسول آپ کو ماننے کے ہیں، اسی طرح اطاعتِ رسول کے معنی بھی من حیث الرسول فرماں برداری کے ہوں گے۔

(ب) نیز علماء نے صراحت کی ہے کہ جب کسی اسم مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو مادہ اشتقاق اس حکم کی علت ہوگا۔ پس جس طرح عربی کے جملہ "اکرم العالم" کا مطلب "علم کی وجہ سے عالم کا اکرام کرو" لیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح "اطیعوا الرسول" کا مطلب "رسالت کی بنیاد پر رسول کی اطاعت کرنا" ہوگا۔

(ج) اس کے علاوہ یہ بات بھی غور کرنے کی ہے کہ رسول کی رسول ہونے کی حیثیت اور ہے حاکم ہونے کی اور، حاکم ہونے کے لئے رسول ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت تک حکام اور ائمہ ہو سکتے ہیں لیکن ان کی حیثیت، مقام، ادب و احترام کیا وہی ہو سکتا ہے جو رسول کا ہوتا ہے اور جس کا قرآن نے اُمت پر پابند کیا ہے؟

(د) پھر رسول کو رسول ہونے کی حیثیت سے ماننا اور مرکزِ ملت ہونے کی حیثیت سے ماننا یہ تقسیم بھی کسی ثبوتِ قرآن کے بغیر ہے، سوال یہ ہے کہ قرآن کریم جب رسول کو ہمیشہ رسول کے نام اور رسول کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے تو آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ آپ اس کی اطاعتِ مطلقہ کے حکم میں یہ تفریق و تقسیم اپنی عقل و رائے سے کر دیں؟ یہ عجیب معمہ ہے کہ آپ کے نزدیک خود رسول تو قرآن کا شارح نہیں ہو سکتا مگر آپ اس کا حق رکھتے ہیں کہ رسول کی حیثیت کو متعین کریں۔

۴) چوتھے دعوے کا جواب

کوئی "حدیثِ صحیح" قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ جب کوئی حدیث اصولی طور پر محدثین کے نزدیک معتبر ہوگی تو اہلِ علم کے نزدیک آج تک کبھی وہ قرآن سے متعارض و متصادم نہیں ہوئی۔ خواہ بادی النظر میں کسی کو ایسا محسوس ہو مگر فی الحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہوتا اس لئے کہ نبی ﷺ یا تو وہی بات فرماتے ہیں جو قرآن میں ہے یا اس کی تشریح و توضیح فرماتے ہیں یا جو بات قرآن میں نہیں ہے اس کا حکم فاحکم بینھم بما اراک اللہ کے حکم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی مدد سے خود بیان کرتے ہیں۔ چوتھی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ غور کیجئے تو مذکورہ تینوں صورتوں میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے کہ آپ کی کوئی تعلیم یا حکم قرآن کریم کے کسی حکم سے متعارض ہو جائے۔ آپ لوگ ایسی عقلی روایات پیش کرتے ہیں علماء اہلِ سنت والجماعت کو ڈیڑھ ہزار برس میں آج تک ان میں قرآن کے ساتھ تعارض نہیں نظر آیا۔ اب چودھویں صدی میں آپ لوگ اپنی عقل و رائے سے زبردستی تعارض پیدا کریں اور دوسرے کی کوئی بات سننے سے اپنے کان بند کر کے اپنی رٹ لگائے جائیں کہ حدیثیں قرآن سے ٹکرا رہی ہیں تو اس نامعقولیت کا کوئی علاج دنیا میں نہیں ہے۔[1]

۵) پانچویں دعوے کا جواب

رہی کبار محدثین کے رافضی و بے اعتبار ہونے کی آپ کی اپنی اپج تو حیرت ہوتی ہے کہ

---

[1] اصل بات بس اس قدر ہے کہ آپ مغربی اقوام کی اسلام دشمنی اور خود ان کے اعتراضات سے مرعوب ہیں اور ان کے عائد کردہ جھوٹے الزامات کو رفع کرنے کے لئے اپنے دین کی حقیقتوں کو جھٹلانے کی ناپاک سعی کر رہے ہیں۔ اس سے آپ کی مرعوبیت تو کم ہو سکتی ہے مگر احادیثِ نبوی کی صداقت داغدار نہیں ہو سکے گی۔

حضرات محدثین کرام کی کمزریں بے مثال اور مخلص جماعت، جو زمین پر گویا اللہ کی ایک آیت و حجت ہے اس جماعت حق پرست پر "عمل بالقرآن" کے مدعیوں نے کس قرآنی اصول کی بناء پر الزام طرازی و دستاں تراشی کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ قرآن نے اپنے مخاطبین کو حکم دیا ہے کہ وہ کھٹکنے والی خبروں کو بلا تحقیق قبول نہ کریں۔ ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا حد یہ ہے کہ خود قرآن کریم پر بے سوچے سمجھے گر پڑنے اور تدبر سے کام نہ لینے کو بھی ناپسند کیا ہے۔ والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صما وعمیانا ان آیات قرآنیہ کا تقاضہ تو یہ تھا کہ حضرات محدثین کرام کے بارے میں بھی تحقیق و جستجو سے کام لے کر فیصلہ کیا جاتا کہ ان کا عقیدہ و مسلک کیا ہے۔ آخر ڈیڑھ ہزار برس کے اہل اسلام اور علماء اعلام کوئی نادان بچے تو نہیں ہیں کہ آنکھ بند کر کے کسی کو مستند و معتبر سمجھتے آرہے ہیں۔ آپ نے کس تحقیق کی بناء پر یہ الزام لگایا ہے؟ "اسماء الرجال" قرآن تو نہیں ہے، محض ایک تاریخ ہی تو ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ آپ حدیث رسول کو جو بے مثال حزم و احتیاط کے ساتھ جمع کی گئی ہیں تاریخ سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے اس سے استدلال کو کہانیوں سے استدلال قرار دیتے ہیں۔ لیکن "اسماء الرجال" کو کتاب اللہ کے مرتبہ پر رکھتے ہیں۔ جب کہ آپ اس فن کی حقیقت سے خوب واقف ہیں کہ اس میں ائمہ فن نے اپنی معلومات کے مطابق رواۃ حدیث کی سیرت پر کلام کیا ہے۔ اور پھر وہ خود بھی ایک انسان ہیں، بشری کمزوری و تقاضوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس لئے ہونا تو یہ چاہئے کہ ان کی غالب اکثریت اور مجموعی بیانات کو سامنے رکھ کر کسی راوی کا مرتبہ متعین کیا جائے۔ جیسا کہ "قائلین حدیث" بالخصوص ہم "مقلدین" کرتے ہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم نے تحقیق کا حکم دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ تاریخ رواۃ حدیث کے اس ذخیرہ "اسماء الرجال" کو بحیثیت مجموعی سامنے رکھ کر بلا کسی تعصب و بدریانتی کے جائزہ لیا جائے تو معروف محدثین اور مدونین کی شخصیتیں کامل اتقاء و احتیاط والی ہیں مگر کسی طرح مجروح و متہم نظر نہیں آتیں۔ ہاں اگر کوئی حدیث رسول کا دشمن ٹھان ہی لے کہ آوارہ خیالی اور اسلام دشمنی کی راہ سے حدیثوں کی رکاوٹ کو ختم کر دوں تو چوں کہ تاریخ میں کوئی محدث ایسا نہ ملے گا جس کی بابت کسی کی بھی رائے مخالف نہ ہو اور اس پر کچھ نہ کچھ جرح کے الفاظ

استعمال نہ کئے گئے ہوں تو وہ ان سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن اس طرح محدثین کرام کے اتقاء و اعتماد کو مجروح کرنا اور ان پر وضع یا دلس کی تہمت لگانا انصاف کا خون کرنا ہے۔ حد ہو گئی اس بدزباتی اور ہٹ دھرمی کی کہ اپنے لئے تو کہیں سے بھی بے سروپا اور من گھڑت کہانیاں وضع کر لینے اور ان کی بنیاد پر کسی بھی محدث و فقیہ کی پگڑی اچھالتے رہنے کی گنجائش ہے اور ہمارے لئے یہ پابندی کہ ہم قرآن سے ہٹ کر بات نہ کریں۔ اپنے کو "آپ" دوسرے کو "تو" کا یہ فلسفہ آپ ہی کو مبارک کسی صاحب علم و سمجھ کے لئے ناقابل قبول ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟

٦) چھٹے دعوے کا جواب

آخری بات یہ کہ "حدیثیں تیسری صدی میں مرتب کی گئی ہیں۔ اس لئے ان کا اتقاء مشکل ہے" تو عرض یہ ہے کہ آپ قرآن کریم سے کوئی دلیل پیش کیجئے کہ احادیث اگر مدون ہوں تو اتقاء کیا جائے ورنہ نہیں۔ اصل مسئلہ یہ تحقیق کرنا ہے کہ اس کی حفاظت ہر دور میں رہی یا نہ رہی۔ وسائل حفاظت تو بدلتے رہیں گے۔ آج حفاظت علم کا ذریعہ جب کمپیوٹر اور سی ڈی بن گئے ہیں تو آپ کی طرح کوئی یہ کہنے لگے کہ چوں کہ قرآن کریم چودھویں صدی کے بعد سی ڈی میں محفوظ کیا گیا ہے اس لئے ہم اس کو وہی قرآن نہیں مانتے جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا۔ تو آپ اس کو کیا جواب دیں گے؟! اگر آپ انا لہ لحافظون کے وعدہ سے استدلال کرتے ہیں تو یہ استدلال کامل نہیں اس لئے کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس آیت کے آپ تک پہنچنے کا وہی ذریعہ ہے جو احادیث کے پہنچنے کا ہے آپ کے پاس اس کی کوئی ضمانت نہیں کہ یہ آیت ان لوگوں نے گھڑ کر قرآن میں داخل نہیں کی بلکہ دیانتہً رسول ہی کی طرف سے پہنچائی ہے۔

انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ قرآن کریم ہو یا حدیث رسول ہم دیکھیں کہ ہر زمانہ کے مروج و معتبر طریقہ حفاظت کے مطابق بتواتر محفوظ رہ کر ہم تک پہنچے یا نہیں؟ پس علماء اسلام نا قابل رد دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ عہد رسالت میں بالعموم "حفاظت بالعمل" اس کے بعد "حفاظت بالحفظ والعمل" کا رواج تھا۔ مسلمانوں نے احادیث مبارکہ کو بھی انہی طریقوں سے محفوظ رکھا اور اشتغال و دلچسپی کے ساتھ محفوظ رکھا۔ پھر کتابت کا رواج عام ہوا اور اس کی ضرورت

محسوس کی گئی تو پورے اہتمام اور نادر انتظام سے اس ذریعہ حفاظت کو اختیار کیا گیا۔ پھر اس کی عہد بہ عہد تفصیل و تاریخ بھی آپ کے سامنے رکھ دی، متکلمین اسلام نے حدیث کی حجیت اور حفاظت پر اس قدر کتب لکھ دی ہیں کہ کسی متلاشی حق کے لئے اس میں کسی اضافہ کی ضرورت اب باقی نہیں رہ گئی ہے۔ کوئی بدنصیب شپرہ چشم اس روشنی سے آنکھ موند کے یہود و نصاریٰ کے قدم بہ قدم چل کر تاریکی میں رہنا چاہتا ہے تو رہا کرے۔ ہمارے لئے ایسے فرد یا طبقوں کا وجود میں آ جانا نہ حیرت انگیز ہے نہ پریشان کن۔ اس لئے کہ ہمیں ہمارے نبی نے اس کی خبر بہت پہلے دے دی تھی۔

ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

”خبردار! عنقریب ایسا وقت بھی آئے گا کہ کسی شخص کو میری حدیث پہنچے گی وہ اپنے تخت پر (بے نیازی کے ساتھ) ٹیک لگائے بیٹھ کر اس کے جواب میں کہے گا کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے۔ ہم صرف اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام سمجھیں گے (کسی اور کے کلام کی ہمیں ضرورت نہیں) خبردار (اچھی طرح سمجھ لو) مجھے کتاب اللہ بھی دی گئی اس کے ساتھ اتنی ہی مقدار اور بھی دی گئی ہے (یعنی وحی متلو کے ساتھ وحی غیر متلو بھی ہے اور دونوں کے مجموعے سے دین کی تکمیل ہوتی ہے“۔)

منکرین حدیث کہیے یا اہل القرآن یا کچھ اور یہ وہی طبقہ ہے جو مغرب زدہ ہے اور اسلام دشمن قوتوں کا شکار ہو کر دین اسلام کو اپنی عقل کا تابع اور اپنی عقل کو دین کا متبوع و ماخذ بنائے ہوئے ہے اور کسی ”لبرل اسلام“ Liberal Islam کی تیاری میں مشغول ہے۔ ان کے حق میں سیدنا حضرت عمر فاروق ؓ کا یہ تجزیہ صد فی صد صحیح ثابت ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم نے اعلام ۱/۵۴ میں حضرت عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے ارشاد فرمایا ”متبعین عقل حدیث کے دشمن ہوا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں احادیث کا علم حاصل کرنے اور انہیں یاد رکھنے کی توفیق تو ہوتی نہیں اور لوگ سوالات کرتے ہیں تو جواب دیتے بھی نہیں بن پڑتا۔ شرم دامن گیر ہوتی ہے تو

اپنی رائے و عقل سے جواب دیا کرتے ہیں اور عقل سے حدیثوں کا مقابلہ و معارضہ شروع کر دیتے ہیں۔ پس میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ ایسے گمراہ طبقہ سے بچتے رہنا“۔

فاروق اعظمؓ کے اس ”فارق بین الحق والباطل“ تجزیہ پر ہی ہم اپنی بات کو ختم کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہم سب کو صراط مستقیم کی توفیق عطا فرمائیں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

□□□

باسمہ تعالیٰ

تقلید کی ضرورت اور ترک تقلید کے مضرات

ایک تفصیلی محاضرہ

پیش کردہ در اجلاس عام

مجلس انصار الحق، واسباڑی جمل ناڈو

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

احوالِ واقعی

یہ بہت ہی بڑا المیہ ہے کہ اس زمانہ میں اپنے آپ کو "اہلِ حدیث" کہلانے والا طبقہ دینی امور میں ہر قسم کے عقلی و نقلی اصولوں سے مستغنی، آداب و احترام سے بے نیاز و بے پروا ہو کر اور چند حدیثوں کی معلومات حاصل کر کے علماء کرام اور ائمہ عظام پر کیچڑ اچھالنے، بدزبانی و سخت کلامی کرنے پر اتر آیا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ طبقہ سید المرسلین امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی — جس میں آپ نے "قیامت کی ایک نشانی پچھلے لوگوں کا اگلے بزرگوں کو برا بھلا کہنا" بھی قرار دیا ہے — کا صحیح ترین مصداق ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ ان ائمہ کو جن کے علم و فضل، دیانت و امانت اور ورع و تقویٰ پر پوری امت کے لاکھوں علماء اور کروڑوں صالحین نے اعتماد کیا اور اس کی شہادت دی۔ کس طرح انہیں قلیل العلم اور بے دیانت قرار دیتے ہیں۔ سچ ہے کہ کسی بندر کو ہلدی کی ایک گرہ مل گئی تو وہ اپنے پنساری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹنے لگا۔ یہ غیر مقلدین بھی — چند سمجھدار اور باعلم و عمل افراد کو چھوڑ کر — اس بندر سے کم نہیں۔ ایک طرف تقلید کو "حرام" اور "شرک فی النبوۃ" قرار دیتے ہیں اور دوسری جانب خود ان کا حال یہ ہے کہ علم کی کل کائنات کسی مترجم کتاب کی "اندھی تقلید" سے زیادہ نہیں۔ ان بیچاروں کو شوقِ تحقیق اور شانِ اجتہاد پیدا ہوا ہے تو وقت نکال کر اور قربانی دے کر کچھ علم حاصل کریں۔ اس لائق بنیں کہ حدیث شریف کی کتاب براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے سکیں اور اصول کی روشنی میں کسی سے کلام کر سکیں۔ جب بھی بات کرتے ہیں تو یکطرفہ اور خود ساختہ مفروضوں کی بنیاد پر، اور کچھ لکھتے ہیں تو اس طرح کہ اپنی بات کی بھی خود ہی تشریح کرتے ہیں اور دوسروں کے عقائد کا مفہوم و مطلب بھی خود ہی گھڑتے ہیں تاکہ خود کو برحق اور باقی سب

مسلمانوں کو غلط قرار دے سکیں۔ اس طرح عوام الناس کی سادہ لوحی و کم علمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے "قرآن و سنت" کے نام پر اپنے مسلک و موقف کی تبلیغ کرتے اور اپنے ساتھ ان کے متاعِ دین کو بھی داؤ پر لگاتے رہتے ہیں۔

ہمیں ان لوگوں کے فروعی مسائل میں اختلاف سے کوئی شکایت نہیں۔ اس لئے کہ وہ مسائل ہیں ہی ایسے کہ ان میں ائمہ مجتہدین بلکہ حضرات صحابہ کرام میں بھی تحقیق کا اختلاف ہوا ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنی تحقیق کی بنیاد پر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اختیار کر لیا ہے۔ غیر مقلدین بھی اپنے علماء کی ترجیح کی بنیاد پر کسی ایک پہلو کو اگر اختیار کر لیتے ہیں تو اس کی شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔ شکایت صرف اس بات کی ہے کہ تیرھویں صدی کے اواخر میں پیدا ہو کر تیرہ سو سال کے کروڑوں فرزندانِ اسلام اور علماء کرام کو گمراہ اور مشرک قرار دینے کی مذموم سعی اور ناپاک جدوجہد کیوں کرتے پھرتے ہیں؟ پھر ستم یہ کہ اپنے کو سلفی اور اثری بھی کہتے ہیں۔ آپ سوچئے کہ سلفی سلف کی راہ چلنے اور اتباع کرنے والے کو کہتے ہیں یا سلف کو بدنام کرنے اور بے ہودہ الزامات لگانے والے کو؟ مسلمانوں کے ساتھ ان کا طرزِ سلوک ایسا ہے جیسے کوئی مشرکین کو اسلام کی طرف دعوت دے رہا ہو۔ [1] ان کی گفتگو اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے ساتھ ان کے رویہ سے واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی مٹھی بھر جماعت کے علاوہ عالمِ اسلام میں کسی کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ اسی وجہ سے آج کل عام طور سے ان کا طریقِ اختلاف اور طرزِ تنقید سوقیانہ اور بازاری قسم کا ہو گیا ہے۔ ان کے عوام اپنے کو وقت کا امام سمجھنے لگے ہیں اور ائمہ تو ائمہ، حضرات صحابہ کرام کی مقدس جماعت پر بے باکانہ حملہ کرنا "اہلِ حدیث" ہونے کی علامت اور نشانی سمجھا جانے لگا ہے۔

ان کو اگر ائمہ کرام کی تحقیق پر اطمینان نہ تھا تو وہ اپنی تحقیق پر عمل کر لیتے۔ لیکن انہیں یہ حق کس نے دیا کہ وہ اپنے علاوہ سب کو ملحد و گمراہ قرار دے ڈالیں؟ اور آج کل تو اسلاف و ائمہ پر طعن و

[1] اور اب تو "جیسے" کی بات نہیں رہی۔ حضرت ربانی صاحب صاف کہہ رہے ہیں کہ جس طرح نبی ﷺ نے مشرکین مکہ کو اسلام کی دعوت دی تھی اسی طرح ہم مقلدین کو دعوتِ ایمان دے رہے ہیں۔ موصوف کی کتابیں انہی اعلانات سے بھری پڑی ہیں۔ اس شخص کے بارے میں تو قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

تشنیع اور تضلیل و تکفیر کا یہ سلسلہ افسوس ناک بلکہ شرمناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ مگر اس پر بھی اس جماعت کے سربراہ و پیشوا حضرات، ہاتھوں پر مہر سکوت لگا کر اس طرح چپ سادھے بیٹھے ہیں کہ گویا سانپ سونگھ گیا ہو۔[1] اب یا تو ان کا منشاء بھی یہی ہوگا یا پھر حسن ظن سے کام لیا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرات ترک تقلید کا مسئلہ اٹھا کر جاہلوں کے ہاتھوں میں پہنچا دینے کے بعد صورت حال کو ناگوار محسوس کر کے بے بس ہو چکے ہیں۔ دور ماضی میں اس جماعت کے اندر ایسے اصحاب علم موجود تھے جن کی شان علم نے ان پر وقار و سنجیدگی اور دیانت و انصاف پسندی کی چادر اوڑھا دی تھی اور وہ حدود سے نکلنے اور جرأت بے جا سے کام لینے کو نہ صرف یہ کہ ناپسند کرتے بلکہ اپنی قوم کو اس کے اقدام سے ڈراتے بھی رہتے تھے۔

ہمارے علماء کرام کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ فروعی مسائل اور ذیلی اختلافات کو لے کر اپنا اور عوام الناس کا وقت خواہ مخواہ ضائع نہ کیا جائے۔ ہاں کبھی ضرورت پیش آئے تو بس ضروری وضاحت پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ہمارے علماء کرام کی شان امتیازی ہے کہ جب معاملہ فروع سے آگے بڑھ کر اصول تک پہنچ جائے اور اختلاف، عداوت و نفسانیت کی شکل اختیار کرنے لگے اور اس کی زد میں امت کا سواد اعظم آجائے ——— جس کی اتباع کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے ——— تو پھر خاموش نہ بیٹھا جائے اور ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے ہدایت و ضلالت کی حقیقت واشگاف کر دی جائے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "جب فتنے ظاہر ہو جائیں اور بدعات کا شیوع ہونے لگے تو عالم کو چاہئے کہ علم کو خوب پھیلائے اور جہل کا مقابلہ قوت علم سے کرے"۔ اسی سلسلہ میں شدید ضرورت محسوس ہونے پر احباب کے اصرار سے یہ مضمون لکھا گیا ہے، جو اگلے صفحات میں پیش ہے۔ خدا کرے کہ مفید ثابت ہو۔

[1] اکابر جماعت کا حال یہ ہے کہ شیخ الحدیث، حاجی امداد اللہ، اکابر علماء دیوبند بلکہ ائمہ مجتہدین اور علماء ربانیین پر زبان درازی اور رکیک حملوں پر تماشائی بنے رہتے ہیں اور اپنے کارکنان کو حدود و اختلاف و اخلاق کی کوئی تلقین نہیں کرتے۔ مجلس حسب کرم کنندہ میں اپنی جماعت کے ایک امیر کے ساتھ بدسلوکی کی خبر پہنچی تو بالتحقیق [illegible] جہاں میں [illegible] کی روایتی اور اپنی بے بسی کا واویلا ہوتا رہا اور اسلاف کی رعایت کی تعلیم دینا اور صبر کرتے ہوئے ضرب الٰہی کا انتظار کر لینے کی [illegible] آپ لیا للعجب!

تقلید کی ضرورت

تقلید نہ کرنے کی مضرات و مفسدات پر کلام کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم پہلے خود تقلید کی حقیقت کو سمجھ لیں اور اس کو سمجھنے کے لئے ان مقدمات کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے۔

۱) اس میں کسی کو شک نہیں ہے کہ اسلام میں مطلق اتباع و اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ جو شخص ان کے ساتھ اطاعت مطلقہ میں کسی اور کو شریک کرے تو وہ بالاتفاق اسلام سے خارج ہے۔ اس میں نہ چون و چرا کی گنجائش ہے اور نہ ہی شک و شبہ کے لئے کوئی راستہ ہے۔[1] یہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اس پر قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ شاہد ہیں۔

۲) اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذریعہ اور وسیلہ قرآن و حدیث ہیں۔ اس لئے کہ نہ تو ہم اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمانے سے قبل مسلمانوں کی صلاح و فلاح اور ہدایت و بقاء کا ضامن انہی دو چیزوں کو قرار دیا اور فرمایا "میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں اپنے بعد چھوڑی ہیں۔ اگر تم ان کو مضبوطی سے تھام لو تو کبھی گمراہ نہ ہوگے"۔[2]

۳) قرآن و حدیث ہی جب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا واحد ذریعہ ہیں اور ہم ان کی اتباع کے مامور و پابند ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ ان ذرائع کی اپنی خاص نگرانی و تدبیر سے قرآن و حدیث کی حفاظت و صیانت کا سامان فرمائے۔ چنانچہ قرآن کریم اور

[1] شرح العقیدۃ الطحاویہ صفحہ ۱۳ جلد ۱
[2] مشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۸۸ جلد ۱

حدیث شریف دونوں ہی کی حفاظت کا اللہ پاک نے ذمہ لیا اور یہ دونوں علوم وما بہ ثبوت سے اب تک ہر قسم کی خرد برد سے محفوظ رہ کر اس طرح منتقل ہوئے ہیں کہ عقلاء عالم کی عقلیں حیران اور اعتراف و تسلیم پر مجبور ہیں۔ (چوں کہ یہ تفصیل کا موقعہ نہیں اس لئے حصول سمجھ میں آئے وہ تدوین قرآن و حدیث کے عنوان پر لکھی گئی تصنیفات کا مطالعہ کریں، وہاں دلائل نقلیہ و عقلیہ سے اس دعوے کو اس قدر مدلل و مستند کر دیا گیا ہے کہ انکار کی گنجائش نہیں رہی۔ ہمارا مخاطب جو طبقہ ہے وہ اس بات کا منکر نہیں اس لئے یہاں اس کے بیان کی ضرورت بھی نہیں ہے۔)

۴) اللہ تعالیٰ کا کلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام مجموعی طور پر انسانی زندگی کے انفرادی و اجتماعی تمام شعبوں کو شامل اور ان کی کلیات و جزئیات کے حامل ہیں، تاہم ان کا نزول و صدور اچانک یکبارگی طور پر نہیں ہوا بلکہ تدریجی و تدریسی طرز پر ہوا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے نزول اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و تشریحات کا دور پورے تیئس (۲۳) سال کی مدت طویلہ میں پھیلا ہوا ہے۔ باوجودیکہ کفار نے قرآن کریم "جملۃً واحدۃً" نازل ہونے کو بڑا اعجاز سمجھ کر اس کا مطالبہ کیا تھا[۱] مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبہ کو نامعقول قرار دے کر تدریجی ترتیب ہی کو قائم رکھا کیوں کہ وہ بندوں کے زیادہ مناسب حال تھا۔ مختصر یہ کہ قرآن و حدیث میں جو احکامات مذکور ہیں وہ نظریاتی حاکمیت نہیں ہیں بلکہ عملی زندگی کے سدھار اور فرد و مجتمع کی درستگی کی کامیاب عملی شکل ہے۔ اسی وجہ سے نزول قرآن کے پورے تیئس (۲۳) سالہ عہد اس کی ابتداء و انتہاء، احوال و کوائف، مواقع و وقائع تعبیرات و اصطلاحات اور بالخصوص ذوق محمدی ﷺ کے مزاج و مسباج کو اچھی طرح جانے سمجھے بغیر احکام شرع کو محض ان کے "الفاظ ظاہرہ" کے "معانی معروفہ" کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرنا نہایت ناسمجھی اور بے عقلی کی بات ہے۔

۵) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا دور دین اور صفات اسلامی کی عملی تصویر ہونے کے اعتبار سے جامع ترین اور کامل ترین دور تھا۔ جب تک آپ موجود

---

[۱] دیکھئے مولانا مناظر احسن گیلانی کی تدوین حدیث

[۲] الفرقان ۳۲

تھے ہمہ وقت آپ کے پروانوں کا شیوہ تھا اور آپ ﷺ کے بعد بھی عوام صحابہ ضرورت کے مواقع پر خواص صحابہ کے علم و تفقہ کا اقتدا کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی طرف کسی غلط بات کو منسوب کرنا یا دین میں نفسانیت اور ہوا و ہوس کو راہ دینا وہ لوگ گویا جانتے بھی نہ تھے۔

اس کے بعد سے جیسے جیسے آپ کے دور سے دوری ہوتی گئی مسلمانوں میں تمام صفات اسلامیہ مضمحل ہوتی چلی گئیں اور ایسا ہونا فطری اور تکوینی امر تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے خود اپنے سے متصل قرون ثلثہ کو خیر القرون قرار دیا۔ حدیث دیانت میں صفت دیانت و امانت کے دھیرے دھیرے زوال پذیر ہونے کی خبر دیتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا "آخر میں ایسا دور آ جائے گا کہ لوگ پورے پورے قبیلہ میں سے ایک آدھ شخص کا تعارف دیانت دار ہونے کی حیثیت سے کروائیں گے"۔ اسی طرح آپ کا یہ ارشاد بھی ذخیرۂ احادیث میں موجود ہے کہ ہر آنے والا دور گذرے ہوئے دور سے باعتبار دین و دیانت کمتر ہوگا۔ خود چودہ سو سالہ ہزار سالہ تاریخی تجربہ اس حقیقت کی صداقت پر ناقابل تردید ثبوت ہے۔ مزید یہ بھی ذہن میں رہے کہ نہ صرف حافظہ کی پختگی، تقویٰ و پرہیزگاری علوم عالیہ میں تعمق و گہرائی، فنون آلیہ میں وسعت و گیرائی وغیرہ کا بھی ہے کہ خیر القرون کے بعد سے مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ صفتیں اُمت میں قابل لحاظ حد تک انحطاط کا شکار ہوتی گئیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔

۶) اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنی سب مخلوقات کو یکساں قوت کا مالک نہیں بنایا ہے۔ ہر جنس مخلوق میں غور کیجئے اس کے انواع اور ہر نوع کے افراد کے مابین استعداد و صلاحیت میں نمایاں اور واضح فرق موجود ہے۔ ہر درخت برابر پھل نہیں دیتا۔ ہر لکڑی کی قوت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر پھول کی خوشبو مساوی نہیں ہوتی۔ ہر زمین کی پیداوار برابر نہیں ہوتی۔ ہر جگہ کا پانی ایک قوت ولادت کا نہیں ہوتا، ہر ستارہ کا حجم اور روشنی برابر نہیں ہوتی۔ ہر انسان کی عقل برابر نہیں ہوتی، ہر ایک کی بینائی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ہر ایک کا حافظہ ایک طرح کا نہیں ہوتا، ہر ایک کا حسن جدا ہوتا ہے وغیرہ۔ بے شمار مثالیں ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ و مصالح تکوینیہ سے اپنی مخلوقات حتیٰ کہ انسانوں کی بھی استعدادوں میں بین تفاوت رکھا ہے۔ بلاشبہ

وہ مدبر کائنات اور قیوم الارض والسماوات ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے۔ پس جس طرح اس نے تمام مخلوقات کی استعدادوں وصلاحیتوں میں کمی بیشی کا فرق رکھا ہے اسی طرح انسانی صلاحیتوں میں بھی اس کا یہ قانون جاری وظاہر ہے، چنانچہ اس نے علم وفہم، عقل وخرد میں بھی اپنے سب بندوں کو ایک ہی سطح پر نہیں رکھا۔ ارشاد ربانی ہے **فوق کل ذی علم علیم**[1] ''ہر صاحب علم سے بڑا عالم موجود ہے''۔ نیز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام سے فرمایا **لیلنی منکم اولو الاحلام والنھی**[2] تم میں سے جو لوگ صاحب فہم ودانش ہیں وہ نماز میں مجھ سے قریب کھڑے ہوا کریں۔ اس کے علاوہ بے شمار مثالیں ہیں جو اس حقیقت کے عند الشریعت مسلم ہونے پر دال ہیں کہ علم وفہم میں سب مسلمان برابر نہیں ہو سکتے، فرق مراتب پایا جاتا ہے۔

۷) دین کے احکام عمومی طور پر دو طرح کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جو بالکل واضح، عام فہم اور محکم ہیں جنھیں پڑھنے کے ساتھ ہی کوئی زبان داں بغیر کسی حاجت تشریح وتوضیح کے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں ایمانیات یعنی عقیدۂ توحید ورسالت وآخرت اور حسن اخلاق وعادات اسی طرح حسن معاملت ومعاشرت، بندگی وعبادت کے عام احکام وغیرہ شامل ہیں۔ بڑا حصہ دین کا ایسا ہی ہے اور بعض احکام متشابہ، محتمل المعانی، یا بظاہر متعارض ہیں۔ جنھیں پڑھنے یا سننے کے بعد ایک عام آدمی علم وفہم کی کوتاہی کی وجہ سے الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ نہ وہ کوئی مفہوم متعین کر پاتا ہے، نہ تعارض کو دور کر پاتا ہے نہ ہی ان کے مختلف محل تلاش کر کے ان پر انطباق کی سکت رکھتا ہے، کیوں کہ اس کے سامنے اس سلسلہ کی تمام باتیں بیک وقت موجود نہیں ہوتیں۔ اس قسم میں حلال وحرام، طہارت ونجاست، نکاح وطلاق اور دیگر معاملات وعبادات کی بہت سی جزئیات داخل ہیں۔ یہ دوسری قسم ہے جو جاہل تو جاہل، عام پڑھے لکھے آدمی کی دسترس سے بھی باہر ہے۔ اس کے لیے کسی راسخ فی العلم، قرآن وحدیث کے ماہر اور عربی زبان وادب پر قادر، ساتھ ہی دیانت دار و پرہیزگار عالم دین کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو ہر مسئلہ میں اس سے متعلق تمام نصوص، ان کی روایتی ودرایتی حیثیت اور

---

[1] یوسف ۷۶

[2] مسلم کذا فی مشکوۃ صفحہ ۳۶۸ جلد ۱

استدلالی قوت کی اچھی طرح چھان بین میں اپنی بساط بھر جدوجہد کر کے ناسخ ومنسوخ، مقدم ومؤخر، اسباب ترجیح اور وجوہ توفیق وتطبیق وغیرہ جیسے اصول کے ذریعہ ان کی شرعی حیثیت کو متعین کر سکے اور خلاف وتضاد ظاہری کو دور کر سکے۔ چنانچہ ارشاد ہے ''جس شخص نے بغیر علم کے فتوی دیا تو اس کا وبال اسی پر ہے''[1]۔ پس معلوم ہوا کہ احکام دین کی اس دوسری قسم کو سمجھنے کے لئے بڑے علم وفہم کی ضرورت ہے یہ کام نہ ہر شخص کے بس کا ہے نہ ہی ہر شخص کو اس کا مکلف بنایا جا سکتا ہے۔ اگر ہر فرد بشر کو اس قدر علم کے حصول کا پابند کیا جاتا تو تکلیف مالا یطاق ہو کر پورے نظام معیشت کی تباہی کا سبب ہو جاتا اور کارخانۂ عالم کا انتظام ہی ٹھپ پڑ جاتا اس لئے اس کو عادۃً ناممکن تسلیم کیا گیا ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم**[2] **ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم**[3] جیسی آیات اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

۸) جب ایسی بات ہے کہ قرآن وحدیث میں کچھ احکام ومسائل ایسے بھی ہیں کہ معمولی واقفیت اور سطحی علم کے ذریعہ ان کے حقیقی منشا اور صحیح مراد کو نہیں پایا جا سکتا اور یہ بھی مسلم ہے کہ ہر مسلمان اپنے اندر بہت زیادہ علمی استعداد اور وہ علم وفہم پیدا نہیں کر سکتا تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ امت ہر زمانہ میں دو طبقوں میں منقسم رہی ہے اور رہے گی۔ ایک وہ جو مختصر علم ودانش رکھتا ہے۔ دوسرا وہ جو علم دین کی تفصیل اور دلائل ونظائر کی وسعت کا حامل ہے۔ اب ظاہر ہے کہ کم علموں کے لئے ایسی صورت میں دین پر ثابت قدمی واستقامت اور ہر طرح کی گمراہی سے حفاظت کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ امت کا یہ عوامی طبقہ جو دین کے ماخذ کا علم نہیں رکھتا وہ ان علماء دین اور ائمہ مجتہدین پر دین کے ان مختلف فیہ مسائل میں کامل اعتماد کرے اور ان سے پوچھ پوچھ کر اطاعت خدا اور رسول کا فریضہ ادا کرتا رہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس پہلے طبقے کو مقلد دوسرے کو مجتہد کہتے ہیں **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون**[4] جیسی آیات اور **انما شفاء العی السؤال**،

---

[1] ابوداؤد صفحہ ۳۲۱

[2] توبہ ۱۲۲

[3] النساء ۸۳

[4] النحل ۴۳

اور فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر[1] جیسی احادیث کا یہی مطلب ہے۔ پھر یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب یہ قلیل العلم طبقہ دین اور اصول دین سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتا تو اس کا کسی "عالم مجتہد" سے اس کے قول کی دلیل پوچھنا محض لغو و لایعنی اور فضول ہے اس لئے کہ اگر وہ بتلا بھی دے تو یہ بے چارہ کیا خاک سمجھ سکتا ہے؟ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جب کوئی عامی کسی عالم سے مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ خدا و رسول کچھ بھی کہتے ہوں گے، یہ بتلائیے کہ آپ کیا کہتے ہیں؟ —— جب کہ غیر مقلدین اسی طرح باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ عالم مجتہد جو جواب دیتا ہے، دراصل اپنے نزدیک اس مسئلہ میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی جو انتہائی تحقیق ہے اس کو بتلاتا ہے۔ نہ یہ کہ محض اپنی جانب سے کوئی فیصلہ بلا دلیل کر دیتا ہو، جب یہ بات ہے اور واقعۃً بھی یہی ہے تو پھر اس پوچھنے اور بتلانے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت مطلقہ میں کسی غیر کی شرکت ہرگز نہیں ہوتی، نہ مقلد کی جانب سے نہ مجتہد کی طرف سے۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا عوام کے لئے یہی ایک راستہ ہے اور یہی مواقف عقل و فطرت ہے۔[2]

۹) اس تمام تفصیلات کے بعد تقلید کی تعریف ملاحظہ کیجئے:

(الف) التقلید عبارۃ عن اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل، معتقدا للحقیۃ فیہ من غیر نظر وتامل فی الدلیل[3] یعنی تقلید عبارت ہے آدمی کا اپنے غیر کے قول یا فعل کا اس کے حق ہونے کے اعتقاد کی وجہ سے دلیل کو دیکھے اور پرکھے بغیر اتباع کر لینا۔

(ب) التقلید العمل علی قول من لاحجۃ لہ بلا حجۃ[4] یعنی تقلید نام ہے:

---

[1] ترمذی صفحہ ۲۰۷ جلد ۵

[2] اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں حتیٰ کہ غیر مقلد حضرات کے پاس بھی یہی ہوتا ہے کہ ان کی عوام ہر مسئلہ کی خود تحقیق کر سکتی ہے اور نہ ہی اپنے علماء پر اعتماد سے گریز کر سکتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ تقلید کریں تو ہمیں توحید سے اور ہم کریں تو سر سر شرک، دکھڑا کوئی حد ہے اس ظلم و تجاہل کی؟

[3] کتاب شرح رسالت الحلبی ص ۷۲ — [4] تیسیر التحریر صفحہ ۲۴۱ جلد ۳

ایسے شخص کی تحقیق شرعی پر بلا طلب دلیل عمل کر لیجئے کہ اس کا قول کی نصہ حجت نہیں ہے"۔ ہاں! دلائل شرعیہ و بحوالہ قرآن و حدیث ضرور حجت ہے، اس لئے کہ عالم اظہار و ارشاد علم پر اور عامل استرشاد و استفسار پر اللہ و رسول کی طرف سے مامور ہے۔ مگر چونکہ دلیل کو سمجھنے کی استعداد نہیں اس لئے طلب دلیل اس کے حق میں فضول ہے۔ اس لئے کہ اگر دلائل کو سمجھے اور ان میں فرق کرنے کا اہل ہوتا تو وہ خود مجتہد ہوتا مقلد نہ ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ تقلید کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ وہ شخص جس کے پاس قرآن و حدیث کا پورا علم نہیں اور شریعت مطہرہ کے مزاج کے موافق ہر مسئلہ کے ما لہ و ما علیہ سے پوری طرح باخبر و واقف نہیں وہ کسی عالم مجتہد کی دیانت و امانت، تفقہ فی الدین اور وفور علم و فہم پر اعتماد کرتے ہوئے اس سے اس مسئلہ کے استنباط و استخراج کی تفصیل و دلیل معلوم کئے بغیر صرف مسئلہ معلوم کر کے عمل کر لے وہ بھی صرف مبہمات میں نہ کہ محکمات میں۔ یعنی صرف ان مسائل میں جو مفہوم کے اعتبار سے مبہم، معانی کے لحاظ سے محتمل و متشابہ، مضمون کی حیثیت سے بظاہر متعارض یا مضطرب ہوں۔ اسے تقلید کی تعریف اور تشریح معلوم ہو جانے کے بعد کون شخص ہوگا جو صاحب عقل و دانش بھی ہو اور تقلید کی ضرورت کا منکر بھی ہو؟

یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء اسلام اور ائمہ دین نے اس ضرورت کو تسلیم اور اس کے موافق عمل کیا ہے۔ اس لئے اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہور امت کا اس پر اتفاق و اجماع[1] ہے کہ عوام الناس کے لئے سب سے اسلم و محفوظ راستہ تقلید ہی کا ہے اور یہ کہ تقلید قرآن و حدیث تعامل صحابہ اور عقل سلیم کے ذریعہ ثابت و واضح ہے، اس کی تفصیل ہمارے علماء نے چھوٹی بڑی سینکڑوں کتابوں میں جمع کر دی ہے۔ وہ مطبوع ہیں اور ہر دوکان پر دستیاب بھی۔ تعصب سے آزاد ہو کر دیانت و امانت کے ساتھ ان رسائل کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ سرمد بصیرت ثابت ہوگا۔

۱۰) گذشتہ تفصیل سے اتنی بات تو سمجھ میں آگئی کہ تقلید نہ کفر و شرک ہے نہ بدعت و ضلالت، بلکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت، اہم دینی ضرورت اور ثبات علی الحق کا محفوظ و مضبوط وسیلہ و ذریعہ ہے۔ اس کے بعد شاید ایک سوال رہ جاتا ہے وہ یہ کہ تقلید واقعی اہم اور ضروری سہی مگر کسی ایک امام

---

[1] لو عقدنا صفحہ ۵۳ ۔

مجتہد کی تقلید کی پابندی کیوں ضروری ہے؟ مقلد کو اختیار ہے کہ وہ حسب منشا جس کی چاہے تقلید کرلے۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ جائز تو دونوں صورتیں ہیں اور تعامل صحابہ و تابعین سے ثابت بھی۔ لیکن آپ غور کریں گے تو سمجھ میں آئے گا کہ تقلید کی دو اہم مصلحتیں ہیں ایک شارع کے صحیح منشاء پر عمل آوری، دوسرے ہوا و ہوس کے شکار ہو جانے سے حفاظت۔ تقلید مطلق کے ذریعہ غیر مجتہدین کے لئے پہلی مصلحت کا حصول ممکن ہوگا۔ مگر تجربہ و تعامل عام سے جب یہ بات متحقق ہوئی کہ ہوا و ہوس کے عموم اور دیانت و امانت ورع و تقویٰ کی دن بہ دن کمی کی وجہ سے اتباع دین کے بجائے اتباع نفس و ہوائے کے خطرات بڑھ گئے ہیں بلکہ روز افزوں ہیں ــــ جب کہ اسلام اتباع ہویٰ و ہوس کو خطرناک مہلکہ قرار دیتا ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی شناعت و قباحت بکثرت وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا[1] یعنی "نبیوں کے بعد پھر ایسے ناخلف لوگ وجود میں آگئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشات نفسانیہ کے درپے ہو گئے سو عنقریب یہ غی میں داخل کئے جائیں گے"۔ اسی طرح حدیث پاک میں "اعجاب کل ذی رای برایہ" کو علامات قیامت میں شمار کیا گیا۔ حدیث ... "کو مہلکات و موبقات میں سے فرمایا گیا ہے ــــ اس لئے امت کو اس موذی مرض سے بچانا بھی بہت ضروری تھا۔ جس کے نتیجہ میں دین و مذہب کا اتباع ختم ہو کر ہوائے نفسانیہ کا مادہ گرم ہو جاتا ہے اور اللہ و رسول ﷺ کے احکامات ہوس پرستی، موقعہ پرستی اور دنیاوی ملات باطلہ کے ذریعہ کھیل تماشہ بن جاتے ہیں۔ (جس کی واضح اور خطرناک و شرمناک مثالیں مضمون کے دوسرے حصے میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے) تو بعد کے علماء نے بڑی دوراندیشی اور معاملہ فہمی سے کام لیتے ہوئے قرآن و حدیث کی روشنی میں امت کے لئے تقلید شخصی کو "سداً للذریعہ" لازم اور ضروری قرار دے دیا۔ جس پر امت کے علماء کرام کا سلفاً و خلفاً اجماع ہو گیا اور تواتر و توارث کے ساتھ آج تک قائم ہے۔ فالحمد للہ علی نعمائہ الشاملہ و آلائہ الکاملہ

---

[1] مریم ۵۹

(۱) ادھر کچھ عرصہ سے مسلمانوں کی ایک جماعت کی جانب سے جس میں بعض اہل علم و فضل اور اکثر کم علم و غیر معتبر حضرات شامل ہیں تقلید کا یہ مسئلہ بڑی شد و مد بلکہ غلو و افراط کے ساتھ اٹھایا جا رہا ہے۔ گو ہر زمانہ میں نا قابل لحاظ چند علماء "نفس تقلید" یا "تقلید شخصی" کی ضرورت کے مخالف و منکر رہے، لیکن ان حضرات میں اعتدال تھا اور وہ اپنی تحقیق میں معذور تھے۔ پھر ان کا طریق اختلاف بھی بہت حد تک مخلصانہ و مصلحانہ ہوا کرتا تھا۔ پھر وہ لوگ مقلدین کی اکثریت و ائمہ مجتہدین کے عالی مقام، وفور علم اور خلوص و للّٰہیت ہونے کے نہ صرف مدل و معاں قائل تھے بلکہ ان کے احترام و اکرام و تعظیم مقام میں کسی قسم کی کوتاہی یا کم ظرفی سے کوسوں دور اور بے تہذیبی و بے ادبی سے کنارہ کش تھے، مگر اب اس جماعت میں ایک ایسا کم فہم و نا سمجھ طبقہ وجود میں آیا ہے جو مبادیات دین و اصول دین سے قطعاً ناواقف اور بالکل سطحی ذہن و مزاج کا حامل ہے۔ اس کے بچے بچے کا حال یہ ہے کہ چند حدیثیں، چند محدثین کے نام، چند مسائل کو لے کر امت میں تفریق و انتشار، تفسیق و تکفیر اور اس کے علاوہ پوری امت اسلامیہ کو کبھی مشرک، کبھی یہودی اور کبھی ائمہ کے پجاری اور خدا جانے کن کن الزامات سے نوازتے رہتے ہیں۔ صبح و شام کا مشغلہ اور زبان و قلم کا استعمال ائمہ کرام اور علماء عظام کی توہین کے لئے وقف کئے ہوئے ہیں۔ جانتے والے جانتے بوجھتے اور نہ جاننے والے جاہلی و نادانی میں وہ مسئلہ گائیاں اور حماقتیں دکھا رہے ہیں کہ خود سر پیٹ رہی ہے اور دین و دیانت کا جنازہ نکل رہا ہے۔ اخلاق و شرافت سرنگوں ہو چکے ہیں اور جب سے عرب ممالک کے چند آزاد خیال و اباحیت پسند علماء ان کے ہاتھ لگ گئے اور جال میں پھنس گئے تب سے تو کیا کہنا اس جہالتوں کی کوئی حد ہے نہ انتہاء۔ وہ باتیں میں آگے نقل کروں گا جن سے آپ ہمارے اس دعوے کا ثبوت پائیں گے۔

۔ اللہ رحمتوں کو ٹھنڈا رکھے اور بے انتہا رحم فرمائے ان علماء پر جنہوں نے عوام امت کے لئے اپنی بصیرت خداداد کے ذریعہ تقلید کو واجب کر کے اس "دعوی" و یہ روادوی سے بچایا اور کیا عجب کہ اس دین کو اسی وقت جنازہ نکل گیا ہوتا اور آج ہمیں علماء کا یہ دین نفس پرستوں کا کھلونا اس کر بیٹھا ہوتا بجبرت ہے کہ اس چشم کشا تجربات کے بعد بھی اس عہد والوں ... کی جہالت علمی و بد اندیشی کا یہ لوگ اعتراف نہ کر سکے۔

یہ لوگ اپنے کو اہل حدیث، سلفی، اثری، محمدی، مدنی اور نہ جانے کن کن ناموں سے موسوم کرتے ہیں مگر حقیقی صورت حال یہ ہے کہ یہ لوگ حدیثوں کا نام ضرور لیتے ہیں مگر اپنی منتخب اختیار کردہ حدیثوں کے علاوہ دیگر حدیثوں پر عمل نہیں کرتے خواہ وہ احادیث صحیحہ ہی کیوں نہ ہوں۔ سلفی کہلاتے ہیں مگر سلف صالحین کے سخت مخالف ہیں، اثری بنتے ہیں مگر نہ کسی صحابی کے اثر کو قبول کرتے ہیں نہ تابعین و ائمہ مجتہدین کا اتباع کرتے ہیں۔ محمدی بنے کا شوق ہے مگر اسوۂ محمدی سے کوسوں دور ہیں۔ مدنی لکھتے ہیں مگر ہیں ہندوستانی، واقعہ یہ ہے کہ جو حال ان کا اپنی نسبتوں کے ساتھ ہے وہی پورے دین کے ساتھ ہے۔

۱۲) اس عرصہ میں برصغیر کی ایک تو تقلید و اتباع والی شکل تھی جسے بفضل اللہ تعالیٰ جمہور علماء کرام اور مسلمانوں کے "سواد اعظم" نے اختیار کیا اور الحمد للہ کہ یہ لوگ اخلاص وللہیت کے ساتھ کتاب و سنت کے منشاء کے مطابق، علماء راسخین، ائمہ مجتہدین اور سبیل المؤمنین کے اتباع کی برکت سے آج تک ہر قسم کی بے راہ روی اور گمراہی، بے ادبی و بے تہذیبی اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کے جرم سے محفوظ و مامون ہیں (عملی کوتاہیاں علاحدہ چیز ہیں، اس سے یہ وہ خالی ہیں نہ ہم) اور جس قدر بھی اعمال، اشغال، موعظت، تذکیر، اصلاح امت کی مساعی، فرق باطلہ ضالہ کا مقابلہ، الحاد و ارتداد کے حملوں سے ملت کا دفاع، عقائد اسلامی کا تحفظ، تبشیر، جرکی اصلاحات و اشاعت اسلام کی جو بنیادی وکلیدی تحریکیں پورے عالم میں اس وقت تک ہو رہی ہیں —— کس طرح اللہ کا شکر ادا کیا جائے کہ —— بفضلہ تعالیٰ وہ سب اسی جماعت حقہ اور اسی سواد اعظم کے حصہ میں آئیں۔ اللّٰھم لا نحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

اس کے برخلاف جن لوگوں نے دوسری صورت "خود مختاری و آزادی" کو اختیار کیا تقلید کو غیر ضروری بلکہ کفر و شرک کے برابر حرام سمجھا اور اس نہایت معقول و مقبول، فطری اور ثابت من الکتاب والسنہ طریقہ کار کی نامعقول و غیر مستند طریقہ سے مخالفت کرتے رہے، تاریخ گواہ ہے کہ ان کی مسلکی گاڑی زیادہ دور تک چل نہ سکی۔ ان کی عقلوں نے بہت دیر تک یاری کی، کچھ دور اور کچھ مسائل تک گرتے پڑتے چلے۔ بات آمین بالجہر، رفع یدین، قرأت خلف الامام جیسے چند

جزوی اور محض ترجیحی مسائل سے ذرا آگے بڑھی تو پھر —— اللہ ہی رحم فرمائے —— یہ بیچارے کہیں کے نہ رہے، پھر جب اپنے کو ان مسائل کے آگے عاجز پایا اور دیکھا کہ "ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں" تو اللہ کے یہ بندے چلنے سے ماند، پھر سست کاہل، پھر بد زبانی پر اتر آئے حدیہ کہ ائمہ، علماء، حتیٰ کہ صحابہ عظام کی شان میں جرأت و گستاخی سے تنگ نہ بچ سکے، پھر انھوں نے بہت سے مسائل میں تقلید سے کتراتے ہوئے بھی اجتہاد و تقلید کے جو گل کھلائے ہیں انھیں دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ دراصل عدم تقلید کا یہی سب سے بڑا مضر و مفسد پہلو ہے۔ جس نے اباحیت و اجارت کا نہ بند ہونے والا باب کھول دیا ہے جسے دیکھو بخاری کا ترجمہ ہاتھ میں لے کر ائمہ کرام و صحابہ عظام کا ورس تولنے اور گردن ناپنے پر تلا ہوا ہے۔ نہ اصول تفسیر سے باخبر ہوتا ہے نہ ہی اصول حدیث کی کچھ شد بد ہوتی ہے نہ صحیح کی فنی تعریف معلوم ہے نہ ضعیف کی حقیقت سے واقف اگر اصرار ہے تو یہ کہ فقہا اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں حدیث صحیح کو چھوڑ کر مخالفت نبی ﷺ کے مجرم ہوئے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ تو ان کی نظر عالی میں کسی حساب میں نہیں آتے۔ انھیں وہ حدیث کے میدان میں "اطفل مکتب" بھی ماننے کے لئے تیار نہیں۔ آج چھوٹے چھوٹے مکتبوں میں کس بچے کم از کم چالیس احادیث تو سنا ہی دیتے ہیں اور تمام تر انہیں اہل حدیثوں —— غیر مقلدوں —— کے نزدیک امام اعظم صرف سترہ حدیثوں سے باخبر تھے۔ فیا حسرۃ علیہم ویا للعجب اور ان مفلس العلم مدعیان "عمل بالحدیث" کی کجروی و گمراہی کی صورت حال کا یہ نقشہ ممکن ہے ان کے قلوب پر ہمارے قلم سے بہت شاق گذر رہا ہو اور وہ اس پر بار گراں ثابت ہو رہا ہو، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اسی جماعت کے معتصب اور پختہ خیال بزرگان و اکابر کے قلم سے اپنی جماعت کی تعریف و تعارف میں نکلے ہوئے چند جواہر پارے ناظرین کی خدمت میں پیش کریں، کیونکہ مشہور ہے صاحب البیت ادریٰ بما فیہ اگر چہ ہم بھی بے خبر نہیں مگر کہنے کا زیادہ حق ان کو پہنچتا ہے اور وہ اچھی طرح کہہ سکتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں

—— نواب صدیق حسن خاں صاحب جو اس جماعت کے قائل اور صاحب تصانیف علماء میں سے ہیں، اپنی جماعت کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں

"اس زمانہ میں ایک شہرت پسند اور ریاکار فرقہ پیدا ہوا ہے جو باوجود ہر قسم کی خامیوں کے قرآن و حدیث کے علم اور اس پر عمل کا مدعی ہے حالاں کہ اس فرقہ کو علم و عمل اور (صحیح دینی) معرفت کے ساتھ کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے"۔[1]

"تعجب کی بات ہے کہ غیر مقلدین کیوں کر اپنا نام خالص موحد رکھتے ہیں اور دوسروں کو (جو تقلید کرتے ہیں) مشرک کہتے ہیں، حالاں کہ یہ خود سب لوگوں سے بڑھ کر سخت متعصب اور غالی ہیں"۔[2]

— اور ایک بڑے غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین بٹالوی فرماتے ہیں

"پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر و ارتداد و فسق و فجور کے اسباب کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے گروہ اہل حدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترک مطلق تقلید کے مدعی ہیں، وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں"۔[3]

— صحاح ستہ کے مترجم نواب وحید الزماں حیدرآبادی رقم طراز ہیں

"غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انھوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماع کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین، صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر میں لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے، بعضے عوام اہل حدیث کا یہ حال ہے کہ انھوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہل حدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے، باقی اور آداب و سنن اور اخلاق نبوی ﷺ سے کچھ مطلب نہیں، غیبت،

[1] اخطائی ذکر صحاح ستہ صفحہ ۱۲
[2] ایضاً
[3] اشاعت السنہ شمارہ ۲ جلد ۱۱

جھوٹ، افتراء سے باک نہیں کرتے، ائمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اولیاء اللہ اور حضرات صوفیہ کے حق میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات زبان پر لاتے ہیں، اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں، بات بات میں ہر ایک کو مشرک اور قبر پرست کہہ دیتے ہیں"۔[1]

— ماہنامہ "اہل حدیث" دہلی کے ایڈیٹر نے تو اپنے گھر کا سب کچا چٹھا سامنے رکھ دیا ہے اور تازہ ترین صورت حال سے واقف کرا دیا ہے

"ہماری جمعیت مسلک کی دعوت و تبلیغ کے لئے نہیں بلکہ روپیہ، اقتدار کی ہوس کو پورا کرنے کا ذریعہ بن گئی ہے۔ عوام کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے اور مسلک و جماعت کے نام اور منصب کا بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ جس شخص کے پاس جمعیت کا عہدہ اور منصب ہو وہ پہلے اس کے ذریعہ عرب دنیا میں چھلانگ لگاتا ہے، پھر اپنے کاروبار کو وسیع کرتا ہے، کیوں کہ اس منصب کے ذریعہ پر اور عرب شیوخ تک رسائی بہر حال آسان ہو جاتی ہے"۔[2]

ہمارا موضوع ہے "عدم تقلید کی دینی مضرتیں" آپ فیصلہ کیجئے اکابر غیر مقلدین نے ترک تقلید کے مضرات و نقصانات کا جو تجزیہ و تجربہ پیش کیا ہے اس کے بعد بھی مزید کسی وضاحت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا غیر مقلدین کی فکری و عملی گمراہی کا یہ چشم دید نقشہ، عینی مشاہدہ ترک تقلید کے ہر طرح مضر ہونے کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ——— بات اب بھی نہیں سمجھ میں آئی تو آگے چلئے راقم اپنے چند ذاتی تجربات پیش کرتا ہے

۱) میں نے مسجد نبوی شریف کے صحن میں ایک غیر مقلد نوجوان کو یہ تقریر کرتے ہوئے سنا "حنفی لوگ رسول اللہ ﷺ کی قبر پر آ کر انھیں زندہ سمجھ کر سلام کرتے ہیں اور ان سے سفارش و استغفار کی درخواست کرتے ہیں، جب کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے اے نبی! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔ اب مجھے بتاؤ کہ مردوں کے پاس آ کر

[1] حدیث اور اہل حدیث صفحہ ۱۰۳
[2] ہفت روزہ اہل حدیث ص ۲ ... ۱۹۹۰ء

اس طرح کہنا کیسے جائز ہو گیا؟

صرف نظر اس کے کہ ہمارا عقیدہ اس سلسلہ میں کیا ہے اور کیوں ہے، صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ انداز بیان اور کلمات گستاخانہ کس ذات عالی کے متعلق کہے جا رہے ہیں، آپ اس کا تصور کریں اور منکرین تقلید کی اس بے تہذیبی پر آنسوؤں کے ہار پرو دیں۔

۲) حرم شریف ہی میں ایک دوسرے غیر مقلد نوجوان کی تقریر

"مسلمانو! تمہاری وہ نمازیں جو تم نے حنفی طریقہ سے پڑھی ہیں ایک بھی نہیں ہوئی۔ ساری زندگی برباد ہو گئی، اب تو کم از کم نماز پڑھنا سیکھ لو۔ بغیر رفع یدین کے نماز ہی نہیں ہوتی۔ ہمارا امام صرف ہمارا نبی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو امام ماننا شرک ہے۔ سعودی حکومت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے حرم مکہ میں سے چار مصلے ختم کر کے سب مسلمانوں کو ایک امام پر جمع کیا۔ جب تک سعودی حکومت نے مسجد حرام میں سے چار مصلے نکال کر کچرے میں نہیں پھینک دیئے جب تک حرم میں بھی شرک گھسا ہوا تھا"۔

میں ان ہفوات پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا اس لئے آپ صرف نشان زدہ جملوں پر غور کر لیجئے۔

۳) ایک غیر مقلد امام مسجد کی تفسیر بالرائے ملاحظہ فرمائیے

"جو نمازیں چھوٹ گئیں ان کی قضا نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن میں ہے نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں، اس لئے بس توبہ کر لینا کافی ہے"۔

۴) انہی کی یہ تفسیر بھی غور سے پڑھئے اور سر دھنیئے

"ان اللہ وملئکته (الایۃ) کا ترجمہ در اصل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتہ کے ذریعہ سے اپنے نبی پر قرآن اتارا ہے، اے ایمان والو تم اس قرآن پر عمل کرو"۔

دیکھئے ظالم نے اس مدترین من گھڑت توجیہ کے وقت، عقل، علم، لغت سب کچھ بالائے طاق رکھ کر یہود و نصاریٰ کی طرح تحریف کتاب کا ارتکاب کیا ہے۔

۵) ایک غیر مقلد خطیب صاحب خطبہ جمعہ میں ارشاد فرما رہے ہیں

"ائمہ اربعہ کو برحق کہنے والے کو اپنے سر کی طہارت کر لینی چاہیے"۔

۶) حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جماعت صحابہ میں بڑے عالم و فقیہ سمجھے جاتے ہیں، تاریخ اسلام اور تاریخ صحابہ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے، لیکن ایک غیر مقلد کے سامنے ان کی روایات پیش کی گئیں تو جواب ملتا ہے

"ان کو چھوڑو، ان کا حافظہ کمزور تھا وہ بہت باتوں کو بھول جایا کرتے تھے"۔

۷) ایک صاحب کا قول ہے "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء کہنا جائز نہیں"۔ جب کہ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض [1] ولقد فضلنا بعض النبيين على بعض [2] خود قرآن میں موجود ہے۔

یہ اور اس طرح کی بے شمار باتیں ہیں جو گفتگو کے دوران خود کانوں سے سنی ہیں یا بعض رفقاء نے ان کے خطبوں سے سن کر نقل کی ہیں۔ ان زبانی تحریرات کے علاوہ ان کے کتب و رسائل کے چند اقتباسات بھی ملاحظہ فرمایئے

۸) حضرت عائشہؓ کا کیا مقام ہے، ہر مسلمان کو معلوم ہے وہ ام المومنین ہیں اور ان کی پاکبازی کی شہادت قرآن کریم میں موجود ہے، لیکن ایک غیر مقلد عالم جناب عبد الحق بنارسی کی دیدہ دلیری ملاحظہ کیجئے "انھوں نے (یعنی حضرت عائشہؓ نے) حضرت علیؓ سے جنگ کر کے ارتداد کیا اور اگر بلا توبہ ان کی موت ہوئی تو یہ کفر پر موت ہے"۔ [3]

۹) حضرت عمر فاروقؓ صحابی رسول ہیں، خلیفہ دوم ہیں اور احادیث شریفہ میں ان کی اطاعت کا حکم موجود ہے، نبی نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان کے قلب و زبان پر حق کے جاری ہونے کی بشارت دی ہے، لیکن غیر مقلدین کو ان پر اعتماد نہیں ہے۔ ہم ان کے طریقہ کو سنت کہتے ہیں اور غیر مقلدین ان کے طریقہ کو بدعت عمری کہتے ہیں، یہ قول ملاحظہ کیجئے

---

[1] سورۃ البقرہ ۲۵۳ [2] بنی اسرائیل ۵۵

[3] کشف الحجاب ۲۱ بحوالہ مولانا عبد الرحمن پانی پتی ۲۱ سولانا بنارسی

"بہت صاف صاف اور موٹے موٹے مسائل ایسے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے ان میں غلطی کی، ان مسائل کے دلائل سے وہ بے خبر تھے"۔[1]

۱۰) ان لوگوں کا تراویح کو "بدعت عمری" کہنا اور حضرت عثمان غنیؓ کی جاری کردہ اذان ثانی کو "بدعت عثمانی" قرار دینا سب کو معلوم ہے، جب کہ ہر شخص جانتا ہے کہ بدعت بدترین گناہ اور دین میں ریادتی کی مذموم کوشش ہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ اور خلیفہ ثالث ذوالنورین حضرت عثمان غنیؓ جیسے اکابر صحابہ کیا اس حرکت کے مرتکب ہو سکتے ہیں؟[2]

۱۱) حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ "السابقون الاولون" میں سے ہیں داماد رسول ہیں، علوم اسلامی اور دینی امین کے امین ہیں۔ کتب حدیث ان کے فضائل سے بھری پڑی ہیں۔ مگر تمام جماعت اہل حدیث کا عقیدہ ہے

"سیدنا علیؓ کے خود ساختہ حکمرانہ صوری دور کو خلافت راشدہ میں شمار کرنا صریحا بدیانتی ہے"۔[3]

۱۲) جنتی نوجوانوں کے سردار، ریحانۃ الرسول جگر گوشۂ فاطمہ بتولؓ، حضرات حسنین کریمؓ جیسی قابل احترام ہستیوں کی تنقیص وتوہین سے بھی اعمال نامہ ان کا خالی نہیں ہے

"حضرات حسنینؓ کو زمرہ صحابہ میں شمار کرنا صریحا سبائیت کی ترجمانی یا اندھا دھند تقلید کی خرابی ہے"۔[4]

۱۳) راہد الامت، صحابی رسول، حضرت ابوذر غفاریؓ جن کی بڑے بڑے صحابہ کرام عزت کرتے تھے، غیر مقلدین ان کے احترام کے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ نبی ﷺ کی تربیت اور شرف صحابیت، الٰہی قبولیت سب کو نظر انداز کرتے ہوئے انھیں کیمونزم سے متاثر قرار دیا جا رہا ہے

[1] طریق محمدی ۵۳

[2] شاید ان حضرات کا عقیدہ شیعوں کی طرح یہی ہوگا کہ بعض صحابہ نبی کے بعد صراط مستقیم سے ہٹ گئے ہیں اور شاید اسی وجہ سے ان حضرات کے نزدیک صحابہ کرام کا قول بھی حجت نہیں ہے۔ (اتحاف حافظکل ص ۲۹۳)

[3] خلافت راشدہ از حکیم فیض عالم صفحہ ۹۵ [4] سیدنا حسن ابن علی از حکیم فیض عالم صفحہ ۲۲

...س سماکے کمیونسٹ نظریات سے متاثر ہو کر ہر کھاتے پیتے مسلمان کے پیچھے ...ے لے کر بھاگ اٹھتے تھے"۔

۱۴) صحابہ کرام بھی بشر تھے، انبیاء کی طرح معصوم عن الخطاء نہ تھے، ان سے بلاشبہ غلطیاں ہوئیں لیکن ان کا سچی توبہ کرنا اور اس توبہ کا مقبول ہونا قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اس کے لئے علاوہ ازیں زبان وقلم کا استعمال بالاتفاق حرام وناجائز ہے۔ لیکن ایک غیر مقلد عالم کے دل کی بھڑاس دل پر پتھر رکھ کر پڑھئے کہ وہ صحابی رسول ﷺ حضرت ماعز اسلمیؓ کے بارے میں کیا لکھتے ہیں

"یہ (شخص) نبی کریم ﷺ اور ان کے صحابہؓ کسی غزوہ کے لئے نکلتے تو مردوں کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر جنس زدہ بدمعاش کی طرح عورتوں کا تعاقب کرتا تھا"۔[1]

اسی طرح حضرت غامدیہؓ کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ

"وہ آوارہ قسم کی پیشہ ور عورت تھی"۔[2]

۱۵) ائمہ جرح وتعدیل نے الصحابۃ کلھم عدول کہہ کر تمام صحابہ کو قابل اعتماد اور عادل ٹھہرایا ہے اور یہی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صحابہ تمام کے تمام دیانت دار، پاکباز اور صادق القول تھے، لیکن غیر مقلدین اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں، ان کا کہنا ہے کہ

"صحابی کا قول قابل حجت نہیں"۔[3]

قصہ مختصر یہ کہ پوری جماعت صحابہ ہی غیر معتبر ہے، پھر جب اس محترم ادب جماعت کے سفاک ہاتھوں سے حضرات خلفاء راشدین، اہل بیت اطہار، ازواج مطہرات اور عامۃ صحابہ کرام کا وقار واعتبار نہ بچ سکا تو ان کے نزدیک محدثین وفقہاء کس قطار وشمار میں آ سکتے ہیں۔ خود ہی سمجھ

[1] خلافت راشدہ صفحہ ۳۳

اس بد زبانی پر ان کو صحابہ کرام کے لئے استعمال کرتے وقت اندازہ کر لیجئے کس اندرونی کو کیا کہے گا۔

[2] تدبر قرآن صفحہ ۲۴۰ جلد ۲۵ [3] تدبر قرآن صفحہ ۲۷ جلد ۵

[4] اتحاف حافظکل ۲۹۳

جاسکتا ہے ؛ پھر بھی مشتے نمونہ چند مثالیں اس کی بھی پیش کی جاتی ہیں۔

۱۶) حضرت امام بخاریؒ نے اپنی کتاب ' الجامع الصحیح '' میں واقعہ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر تہمت والے مشہور واقعہ کو روایت فرمایا ہے۔ اس کی وجہ سے ان پر '' ایک غیر مقلد صاحب '' شدید برہم ہیں۔ اسی برہمی کی حالت میں امام بخاریؒ کے اعتماد و استناد کی دھجیاں یوں بکھیرتے ہیں

' دراصل امام بخاری میرے نزدیک اس روایت کے معاملہ میں مرفوع القلم ہیں '' ۔[1]

یعنی ناداں پاگل ہیں ؛ اس سے کہ علمی اصطلاح میں ' مرفوع القلم '' نابالغ بچے یا مخبوط الحواس آدمی کے لئے مستعمل ہے۔

۱۷) امام ترمذیؒ عظیم محدث ہیں '' سنن ترمذی ' ان کی علمی یادگار ہے اور صحاح ستہ میں شامل ہے۔ دنیا آج تک ان کا نام احترام سے لیتے آئی اور ان کی سنن سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے۔ ان کی سنن کے بارے میں بھی ' غیر مقلدین ' کی رائے معلوم کر لیجئے

'' معلوم ہوتا ہے کہ امام مسلم کے بعد کسی سازشی ٹکسال میں انہیں (ان حدیثوں کو) گھڑا گیا ہے '' ۔[2]

مجھے نہیں معلوم ہو سکا کہ ہر مسئلہ میں صریح و صحیح حدیث کا مطالبہ کرنے والے غیر مقلدین نے کس کشف و کرامت کے ذریعہ یہ انکشاف کیا ہے ؟

۱۸) ابن شہاب زہری زبردست محدث اور پایہ کے عالم ہیں۔ سب سے پہلے کہا جاتا ہے کہ '' تدوین حدیث ' کا انہیں کو شرف حاصل ہے۔ ان کے حق میں ایک غیر مقلد صاحب نے درج ذیل انکشاف کیا ہے

'' منافقین و کذابین کے وابستہ نہ سہی ناوابستہ ہی کسی مستقل ایجنٹ تھے۔ اکثر گمراہ کن ، خبیث و کمزور روایتیں ان کی طرف منسوب ہیں '' ۔[3]

---

۱ صد یقہ کائنات ص ۱۰۶ ۲ ایضاً ص ۱۰۸

۳ صد یقہ کائنات ص ۸۰

۱۹) اہل سنت والجماعت سے تو ان لوگوں کو یہ بغض و عداوت ہے جو آپ نے پڑھا لیا۔ اس کے بالمقابل روافض اور قادیانیوں سے قلبی تعلق و ہمدردی ، مودت و محبت کس قدر ان میں پائی جاتی ہے اسے بھی ملاحظہ کیجئے اور حضرات صحابہ کرام کے بارے میں ان لوگوں کا روافض سا عقیدہ و ذہن بھی تمام کر پڑھئے

'' کچھ صحابہ فاسق تھے جیسا کہ ولید اور اس کے مثل کہا جائے گا معاویہ ، عمرو ، مغیرہ ، سمرہ کے حق میں ' ۔ لا یجوز لھم الترضی[1]

یعنی ان لوگوں کے لئے رضی اللہ عنہ کہنا جائز نہیں ہے۔ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بلا استثنٰی تمام صحابہ کو رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ فرمائیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو سبق سکھا رہے ہیں کہ لا یجوز لھم الترضی

اسی طرح حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے بارے میں کہتے ہیں

دونوں باغی ، سرکش اور شریر تھے ' ۔[2]

۲۰) قادیانی ، باتفاق اُمت کافر ہیں۔ بچہ بچہ الحمد للہ اس سے واقف ہے۔ لیکن حضرات صحابہ کرام کو فاسق و باغی اور سرکش و شریر قرار دینے والے غیر مقلدین کا ' قادیانی مرتدین ' سے حسن ظن اور اعتماد کا کیا حال ہے ؟ ان کے بڑے عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری سے سنئے

'' میرا مذہب و عمل یہ ہے کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے اقتداء جائز سمجھتا ہوں ، وہ شیعہ ہو یا مرزائی '' ۔[3]

نماز کی طرح وہ قادیانی عورت سے نکاح کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

' میرے ناقص علم میں مرزائن سے نکاح جائز ہے ' ۔[4]

دیکھئے اور دیدۂ عبرت سے دیکھئے ؛ مسلمانوں کے سواد اعظم ' اہل سنت والجماعت ' سے کٹے تو کہاں جا کے پہنچے

---

۱ نزل الابرار ص ۹۴ ۲ رسائل اہل حدیث ص ۴۳

۳ اخبار اہل حدیث ۱۳ اپریل ۱۹۱۵ء ۴ ایضاً ۱۲ نومبر ۱۹۳۳ء

— کم علمی بلکہ جہالت و بے علمی کے باوجود تقلید کو حرام قرار دے کر "عمل بالحدیث" کے دعوے نے ان بے چاروں کو ضلالت و گمراہی کے جس دلدل میں پھنسا دیا ہے اور جس طرح کے شرمناک و خطرناک فتاویٰ ان کے زبان و قلم سے صادر ہونے لگے ہیں انہیں دیکھ کر ایک مخلص غیر مقلد عالم مولانا داؤد غزنوی کا بھی کلیجہ پھٹنے لگا اور وہ اپنی جماعت کی اس خطرناک صورت حال پر اس طرح ماتم کناں ہیں

> "جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابوحنیفہ ابوحنیفہ کہہ رہا ہے۔ کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے، پھر ان کے بارے میں اس کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے، یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر بڑا احسان کرے تو وہ سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر عالم کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہیں ان میں اتحاد و یکجہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے؟ انما شروة العلم انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ"۔[1]

اس جماعت کی فکری آزادی اور مذہبی بے راہ روی نے اسے کہاں تک پہنچایا ہے؟ اس کی چند مثالیں آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمالیں۔ اس کے بعد ہر ایک صاحب سمجھ آدمی اس نتیجہ پر بآسانی پہنچ جائے گا کہ ترک تقلید درحقیقت گمراہی کا ایک دروازہ ہے۔ اس میں داخل ہونے والا ضلالت کی کسی بھی حد تک پہنچ سکتا ہے اور یہ صرف ہمارا ہی خیال نہیں ہے، تجربہ کار اور آزمودہ غیر مقلد علماء کی بھی یہی رائے ہے۔ ایک غیر مقلد عالم مولانا عبدالواحد غازیپوری کا ارشاد ملاحظہ ہو

> "اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث، مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ صفت میں وارث و خلیفہ ہوئے ہیں شیعہ و رافضی کے، یعنی شیعہ جس طرح پہلے مسلمانوں میں باب اور دہلیز کفر و نفاق تھے"۔[2]
> (اسی طرح جھوٹے اہل حدیث بھی کفر و نفاق کا دروازہ ہیں)

[1] مولانا داؤد غزنوی ص ۳۷۶

[2] [illegible] ص ۹۲، ۹۳

پھر انہوں نے تفصیل سے بتایا کہ قادیانی، مرزائی، چکڑالوی جیسے ملاحدہ و زنادقہ سب اسی دروازہ سے برآمد ہوئے ہیں اور اپنے ایک مشہور زمانہ عالم کو تو "خاتم الملحدین" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے "غیر مقلدیت" کے نتائج کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے جو ناقابل تردید حقیقت بن چکا ہے، چنانچہ نمونہ از خروارے

مرزا غلام احمد قادیانی	پہلے غیر مقلد	پھر قادیانی
اس کا خلیفہ حکیم نورالدین	پہلے غیر مقلد	پھر قادیانی
سرسید احمد خاں	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
اسلم جیراجپوری	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
غلام احمد پرویز	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
عنایت اللہ مشرقی	پہلے غیر مقلد	پھر ملحد و بے دین
ڈاکٹر احمد دین	پہلے غیر مقلد	پھر ملحد و بے دین
عبداللہ چکڑالوی	پہلے غیر مقلد	پھر منکر حدیث
نیاز فتح پوری	پہلے غیر مقلد	پھر دہریہ
مسعود احمد	پہلے غیر مقلد	پھر امام مفترض الطاعۃ

— ایک تازہ ترین مثال بھی آخر میں ملاحظہ کیجئے جو مجھ سے بمبئی کے ایک عالم دین نے بتلائی کہ ان کے علاقہ میں ایک تعلیم یافتہ نوجوان دین کی طرف راغب ہوئے اور دھیرے دھیرے ترقی کرتے ہوئے ماشاءاللہ خاصے متبع سنت ہو گئے۔ وضع قطع اسلامی، نمازوں کی پابندی، حلال و حرام کی تحقیق اور تمام احکام کی پابندی کرنے لگے۔ اس بے چارے پر کسی غیر مقلد کی نظر پڑ گئی انھوں نے اسے سمجھایا کہ "تقلید شرک ہے اور تم اتنی ساری محنت مقلد بن کر کر رہے ہو، یاد رہے ہم (نام نہاد) اہل حدیث حضور ﷺ کے علاوہ کسی کی اتباع نہیں کرتے"۔ مختصر یہ کہ کسی طرح انہیں غیر مقلد بنالیا۔ اب وہ ہر معاملہ میں "حدیث صحیح" کی تلاش کرنے لگے اور ان کو جب ان کی تحقیق میں کوئی صحیح حدیث نہ ملتی تو دھیرے دھیرے ایک ایک سنت نبی کو ترک کرنا شروع کیا۔ حدیثوں میں ایسے

اُلجھ کر اپنی بے مائیگی علم اور اصولِ دین سے ناواقفیت کی بناء انھیں حدیثیں ہی غلط و من گھڑت معلوم ہونے لگیں۔[1]

"نتیجتاً منکرِ حدیث ہو گئے 'اب حدو ہی مٹے، حدود ہی سے خارج اور خود ہی جام و سبو بننے کا مدتریں اور خوفناک انجام یہ ہوا کہ اس شخص نے حوالِ عالم سے کہا (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

'کسی مسلک اور جماعت کا قصور نہیں ہے دراصل اُمت کو تو محمد (ﷺ) ہی نے طرح طرح کی باتیں کہہ کر کنفیوز (Confuse) کیا ہے اور وہی اس کے ذمہ دار تھا۔'

میں تو اس کی نقل کرنے کے لئے بھی بار بار سوچتا رہا اور ڈرتا رہا کہ کہیں اس کی نحوست میں شریک نہ کر دیا جاؤں "نقلِ کفر کفر نباشد" کے مدنظر اُمت کو ترکِ تقلید کے خطرناک نتائج کی عملی شکل بتلانے اور انھیں خبردار کرنے کے لئے ضروری سمجھ کر نقل کر دیا اور مجھے اس شخص کے اس الفاظ اور اس کے گمراہ کن فیصلہ پر ذرا تعجب نہیں کہ اس کی مثل اور اس سے بڑھ کر بھی میں نے حیدرآباد کے نام نہاد غیر مقلد جاہل نوجوانوں کی زبانوں سے سن لیا ہے۔ اللہ ہی حفاظت فرمائے آمین۔

نہ معلوم ان کے بڑے کس خواب و خیال میں ہیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ دانستہ نہ سہی نادانستہ ہی سہی کسی "اسلام دشمن سازش" کا شکار تو نہیں ہو گئے؟[2]

اس لئے کہ انھیں اب بھی اپنے برحق ہونے پر اصرار ہے اور ان حالات کو دیکھ کر بھی سنبھلنے اور قوم کو سنبھالنے کے لئے تیار نہیں ہیں، بلکہ بقصد و ارادہ من گھڑت، خود ساختہ اور عامیانہ الزامات وضع کر کے ہندوستان کے علماءِ احناف —— جو دراصل ہندوستانی مسلمانوں کے دین و ایمان کے حق میں رحمتِ الٰہی کی ایک عظیم نشانی ہیں —— کو علماءِ عرب کے سامنے مشتبہ و

---

[1] امام مسلمؒ نے مقدمہ میں بڑی پتہ کی بات ارشاد فرمائی ہے کہ "عوام الناس کے لئے جو اصولوں سے ناواقف ہیں بڑی زیادہ احادیث کا معلوم ہونا خطرہ ہے۔ [illegible] اپنے کو محدثین کے طریقے پر قرار دینے والے غیر مقلدین کم از کم اس عظیم المرتبت محدث کی اس نصیحت کو دل لے لیتے۔
[2] ان کے بقول بعض اہل شیاطین کی رہنمائی [illegible] محدث سازشوں کا شکار ہو سکتا ہے تو یہ بے چارے کس حساب میں ہیں؟

بدنام کرنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ اس سراسر جھوٹ و بہتان پر ساللہ سے شرم ہے نہ ہیں نہ حساب کے دن سے ڈر رہے ہیں، جس کی واضح مثال اور بین ثبوت ان کی نادر و عربی تصنیف "المہند و مفاسد" ہے جس میں انھوں نے دین و دیانت، عدل و انصاف اور دیانتداری کا وہ خون کیا ہے جس کی انتشار امت اُمت کی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے۔ لیس ما کانوا یصنعون

یہ ترکِ تقلید کی وہ دینی مضرتیں ہیں جس کے مدنظر علماءِ احناف میں نے عوام مسلمین کو تقلیدی شہیں "تقلیدِ شخصی" کا پابند کر کے ان مضرتوں اور خطرات سے محفوظ کر لیا تھا۔ کیسے کیسے علماء و محدثین، صاحبِ علم و عمل اور صاحبِ دین و دیانت نے اس تقلید کا اہتمام کیا ہے؟ آخر کس طرح ان سب کو گمراہ و مشرک قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دم سے اسلام ہر دور میں زندہ رہا اور ہے

خدایا وہ آئے جنھیں دیکھ کے وہ خود کے پہنچے
سنت کے وارث ہیں یہی ہیں نقل دکھانی

پس مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن و حدیث پر عمل کے لئے ان علماء ربانیین پر اعتماد کریں اور "سبیل المومنین" کی اتباع کرتے ہوئے مسلّم و متوارث طریق کو ان گمراہان فکر و خیال اور طالبانِ علم و تقویٰ کے سطحی الزامات و اعتراضات سے متاثر ہو کر ترک نہ کر بیٹھیں، ورنہ جو حشر ان کا ہوا ہے وہ ہمارا بھی ہو سکتا ہے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ آمین برحمتک یا ارحم الراحمین

□□□

باسمہٖ تعالیٰ

مختصر تذکرہ

سیدنا الامام الاعظم رحؒ

ابوحنیفہ نعمان بن ثابت علیہ رحمۃ اللہ ورضوانہٗ

تحریر

مولانا محمد عبد القوی

ناشر

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اسم گرامی

آپ کا اسم گرامی نعمان، کنیت ابو حنیفہ، لقب امام اعظم ہے۔ آپ نسلاً فارسی ہیں، آپ کے آباؤ اجداد فارس کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعضوں نے آپ کو غلام خاندان سے منسوب کیا ہے۔ لیکن اولاً تو یہ طاقتور تحقیق بات ہے۔ ثانیاً اگر ایسا ہے بھی تو کسی کی فضیلت و بزرگی میں یہ چیز رکاوٹ ہرگز نہیں ہے۔ چنانچہ صحابہؓ و تابعینؒ میں بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی صحابیت و تابعیت پر غلامی جب اثر انداز نہیں ہوتی تو الامام الاعظمؒ ہی کے لئے یہ چیز خاندانی شرافت و نجابت کے حق میں نقصان دہ کیسے ہو جائے گی؟ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے "میرے مقرب متقی لوگ ہیں، جو ہوں، جہاں ہوں"۔

ولادت، جائے ولادت

بہرحال الامام الاعظمؒ کی ولادت باسعادت عالم اسلام کے مایۂ ناز و تاریخ ساز شہر کوفہ میں سنہ ۸۰ھ میں ہوئی۔ وہی کوفہ جس کی علمی و فقہی تعمیر کی خشت اول حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ہیں۔ (جنہیں حضرت عمرؓ نے باوجود اپنے پاس ان کی سخت ضرورت ہونے کے بھی وہاں بھیج دیا تھا)۔ وہی کوفہ جس میں ہزار ہا علماء و محدثین پیدا ہوئے، جس کو پندرہ سو صحابہ کرامؓ کے مسکن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جسے مدینۃ العلوم حضرت علیؓ نے علم سے بھرپور شہر قرار دیا، جہاں کے علماء و محدثین کے حافظہ و ذہانت اور علمی انہماک پر ابن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے رشک فرمایا تھا جہاں احادیث الرسول کا اس قدر ذخیرہ تھا کہ امام بخاری کے استاد حضرت عفانؒ فرماتے ہیں "اگر ہم کوفہ میں احادیث جمع کرنے کا اہتمام کرتے تو ایک لاکھ احادیث جمع کر لیتے"۔ جہاں سے علمی فائدہ اٹھانے والوں میں بخاری اور ترمذی جیسے محدثین بھی ہیں۔ مختصر یہ کہ الامام الاعظمؒ کا مولد اپنے زمانہ کا سب سے بڑا علمی مرکز و محدثین کا مرکز تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رواۃ حدیث کی بہت بڑی

تعداد کوفہ سے تعلق رکھتی ہے۔ کوفہ کی بات آئی تو ہم نے اس کا مرسل سے اس ... کے پس منظر میں اندازہ کیا جا سکے کہ رجال علم و رجال فہم اکابر صحابہ و مشاہیر تابعین کے مبارک و مسعود ماحول میں پیدا ہوئے، پروان چڑھے۔ ان سے ملاقاتیں کرے اور ان کی مجلسوں میں بیٹھے اور انہی محدثین کبار کے آگے تحصیل علم کے لئے زانوئے ادب تہہ کرے۔ والے الامام الاعظمؒ کا علم، فقہ و فہم، طرز استدلال، طریقۂ اخذ احکام اور اس معاملہ میں ورع و تقویٰ، اہتمام و احتیاط کس اعلیٰ درجہ کا ہوگا اور جو لوگ حسد کی آگ میں جلتے ہوئے الامام الاعظمؒ کو قلیل العلم یا علم حدیث سے بے بہرہ قرار دے کر آپ کے فقہی مسلک کو ضعیف و مشکوک ثابت کرنے کے لئے تار عنکبوت جیسے اعتراضات کر رہے ہیں۔ وہ کس حد تک مبنی بر صداقت و دیانت ہیں؟

شرف تابعیت

الامام الاعظمؒ نے حضرات صحابہؓ کا زمانہ پایا ہے۔ بعضوں نے ستر صحابہ سے ملاقات کا تذکرہ کیا ہے لیکن اس کی تحقیق نہیں، البتہ ۲۲ صحابہ کرامؓ جن کے سنین وفات کو سامنے رکھ کر ان سب سے الامام الاعظمؒ کی ملاقات کے قوی امکانات کا پتہ چلایا جا سکتا ہے۔ تاریخی شواہد کے ساتھ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ الامام الاعظمؒ نے حضرت انسؓ، حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ، سہل بن سعدؓ، عامر بن عبداللہ، راشد بن الاصقعؓ، معقل بن یسارؓ، ابو طفیلؓ، عبداللہ بن انیسؓ، عبداللہ بن حزؓ، عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم سے تو بہرحال ملاقات فرمائی ہی تھی۔ تابعیت کا شرف حاصل کرنے کے لئے ایک صحابی کی ملاقات ہی کافی تھی۔ چہ جائیکہ اتنی تعداد۔ بقول حافظ ذہبیؒ کے حضرت انسؓ سے الامام الاعظمؒ نے متعدد بار ملاقات فرمائی ہے۔ علماء حدیث نے اس پر اتفاق فرمایا ہے کہ آپ نے اصحاب رسول ﷺ سے روایات بیان کی ہیں۔

کسب حلال

الامام الاعظمؒ کا آبائی پیشہ تجارت تھا۔ آپ نے بھی اسی کو کسب معاش کا ذریعہ بنایا۔ اس لائن میں آپ نے کافی ترقی فرمائی۔ کاروبار کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ کوفہ کے علاوہ ایران، عراق، شام و حرب کے ملکوں کو آپ کے ہاں سے مال سپلائی کیا جاتا تھا۔ تجارت میں صداقت و دیانت و

امامت کے اعتبار سے آپ کا کاروبار ممتاز شمار ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض اہلِ قلم نے آپ کی تجارت کے طرز کو صدیقِ اکبرؓ کی تجارت سے مشابہ قرار دیا ہے۔ وسیع تر کاروبار نے آپ کو غیر معمولی طور پر مصروف کر لیا تھا۔ ہر وقت اسی کی دیکھ بھال اور حساب کتاب میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن اسی سلسلہ میں کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں امام شعبیؒ سے ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے الامام الاعظمؒ کے چہرہ پر علم و فہم، دانائی و ہوشیاری، وجاہت و ذکاوت، ورع و تقویٰ کے مہر تاباں کو دیکھ کر ان سے ارشاد فرمایا

صاحبزادے کہاں گھومتے رہتے ہو"؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت تجارت کے سلسلہ میں سوداگروں کے پاس آمدورفت رہتی ہے۔ امام شعبیؒ نے فرمایا علماء کے پاس بھی آتے جاتے ہو"؟ فرمایا حضرت بہت کم۔ فرمایا علماء کے پاس بکثرت جایا کرو۔

تحصیل علم

الامام الاعظمؒ کا کہنا ہے کہ " اس کے بعد سے میرے دل میں حصول علم کا ذوق پیدا ہو گیا"۔ چنانچہ آپ نے اس جانب توجہ فرمائی اور وقت کے مروجہ علوم حاصل کئے۔ خصوصاً علم کلام میں آپ نے کافی درک و مہارت حاصل کی اور مختلف موضوعات پر مناظرے ہونے لگے۔ اسی سلسلہ میں آپ نے بصرہ ــــ جو کہ فرق باطلہ اور گمراہ مناظرین کا گڑھ تھا ــــ کی جانب بیس مرتبہ سفر فرمایا اور بڑے بڑے مناظروں میں حصہ لیا۔ یوں تو آپ اس میں کافی مشہور اور مقبول ہوتے جا رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ سے کسی عظیم و کریم کام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ کچھ مدت میں آپ کا رجحان علم الفقہ کی طرف ہو گیا۔ واقعہ اس کی تحریک کا یہ بتایا جاتا ہے کہ الامام الاعظمؒ ایک مرتبہ کہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی عورت نے آپ سے مسئلہ دریافت کیا۔ آپ اس سے واقف نہ تھے۔ آپ نے امام حمادؒ کی طرف بھیجا اور کہا " واپسی میں ہمیں بھی بتا جانا" وہ عورت واپس آئی اور مسئلہ بتا کر چلی گئی۔ لیکن اس باب میں اپنی لاعلمی کا آپ کو بے حد افسوس رہا اور اسی وقت سے آپ نے مشہور محدث معروف استاذ امام حماد کے درس میں شرکت شروع فرما دی۔ امام

ماں حضرت ـــ ـــ ـــ سال ـــ ـــ ان مسند فقہ ـــ ـــ ـــ لہٰذا آپ کو ان کے جانب معتقدین کی صف میں بٹھا دیا گیا لیکن بہت جلد امام ـــ نے دیکھا کہ ذہانت اور فقاہت میں ابو حنیفہ کے درجہ کا ایک بھی طالب علم نہیں۔ اسی سے آپ کو صف اول میں بٹھایا جانے لگا۔ دو ہی برس میں آپ نے اس نازک ترین فن میں اس قدر مہارت حاصل فرمائی کہ خود آپ کا بیان ہے " دو برس کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں خود درس شروع کر دوں"۔ مگر استاد کا ادب مانع ہوا اس لئے آپ استفادہ ہی فرماتے رہے۔ دوران طالب علمی ہی سے آپ کا انداز فکر اور طرز استدلال مجتہدانہ تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام حمادؒ کے ساتھ آپ کسی سفر میں تشریف لے گئے۔ اثنائے راہ میں نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ پانی موجود نہیں تھا۔ اس لئے امام حمادؒ نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی۔ مگر آپ نے نماز نہیں ادا کی۔ آپ کا خیال تھا کہ آخر وقت مستحب تک پانی کے انتظار میں نماز کو مؤخر کرنا چاہئے۔ آگے چل کر پانی مل گیا اور آپ نے وضو کر کے نماز پڑھی۔ استاد محترم نے شاگرد کے اس صحیح فکری پرواز کی داد دی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ اساتذہ کا بڑا اکرام فرماتے تھے۔ ان کی شان میں ادنیٰ گستاخی کو بھی روا نہیں رکھتے تھے۔ ساری زندگی میں کبھی ان کے گھر کی طرف پیر نہیں پھیلایا۔ خود فرماتے تھے " میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس کے بعد والدین اور اساتذہ کے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہو"۔

فقہ میں ویسے تو آپ خصوصی طور پر امام حمادؒ ہی کے شاگرد تھے لیکن عموماً آپ نے بہت سے اساتذہ علم فن سے استفادہ کیا ہے۔ چنانچہ آپ کے اساتذہ کی تعداد تین سو کے قریب بتائی گئی ہے۔ خود یہی بات آپ کے مقام علم کو سمجھنے کے لئے کافی ہے۔

تدوین فقہ

یا شبہ الامام الاعظمؒ ہی وہ شخصیت ہیں جنھیں فقہ اسلامی کے قوانین کے مدون و مرتب کرنے کا شرف سب سے پہلے حاصل ہوا۔ دوسری صدی ہجری کا ربع اول مذہبی اعتبار سے بڑے انتشار و اختلاف کا زمانہ ہے۔ حیثیت و امانت تیزی کے ساتھ ختم ہوتی جا رہی تھی۔ احکام شریعت کو اہل ہوا و ہوس نے کھیل بنا رکھا تھا۔ اہل علم حضرات کے مابین بھی شدید و کثیر اختلافات پیدا ہو گئے

تھے۔ بعض حضرات صرف ظاہر حدیث پر عمل کو ضروری اور قیاس و اجتہاد کو حرام قرار دیتے تھے۔ ایک جماعت ان حضرات کی تھی جو درایت و روایت کو یکجا کرنے کے قائل تھے۔ اسی خوش قسمت گروہ میں الامام الاعظم کا بھی شمار ہوتا ہے۔ ان اختلافات کا سب سے زیادہ نقصان عوام الناس کو ہوا۔ قاضیوں کے متضاد قانونی فیصلوں سے عوام میں عجیب طرح کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ الامام الاعظم ان پریشان حالات کو بچشم خود ملاحظہ فرما رہے تھے۔ ان حالات کے ازالہ اور خاتمہ کے لئے آپ شدت سے ضرورت محسوس فرماتے رہتے تھے کہ فقہ اسلامی کی باضابطہ اور باقاعدہ تدوین ہونی چاہئے تاکہ عوام الناس کو مسائل کے جاننے اور عمل کرنے میں دشواری نہ ہو تو دوسری طرف قاضیوں اور مفتیوں کو مسائل کے سمجھنے اور فتاویٰ و فیصلوں کے جاری کرنے میں دقت اور انتشار و اختلاف نہ پیدا ہو۔ امت کی اس اہم ضرورت کی تکمیل کے لئے آپ نے تدوین فقہ کی جانب توجہ فرمائی۔ پہلے اس کام کے لئے کئی مقامات کے بارے میں سوچا گیا لیکن بہت سی مصلحتوں اور سہولتوں کے پیش نظر کوفہ ہی اس کے لئے ترجیح دی گئی۔ پھر آپ نے اپنے ہزاروں شاگردوں میں سے ذی لیاقت و باصلاحیت چالیس علماء کا انتخاب فرمایا جس میں ماہرین حدیث، ماہرین قیاس و اجتہاد، ماہرین لغت و عربیت اور اعلیٰ درجہ کے اصحاب زہد و تقویٰ تھے اور اپنے اپنے فن میں ممتاز مقام کے حامل تھے۔ پھر اس میں سے بارہ خصوصی حضرات پر مشتمل مجلس خصوصی بنائی۔ یہ حضرات ایک جگہ جمع ہوتے تھے۔ آپ ایک ایک جزئیہ کو پیش کرتے اور اس پر بحث شروع ہو جاتی جب سب متفق ہو جاتے تو اس مسئلہ کو لکھ لیا جاتا۔ بعض مرتبہ ہفتوں مہینوں بحث چلتی اور کسی نتیجہ پر نہ پہنچتے تو خود الامام الاعظم اس پر جامع و مانع تقریر فرماتے جس کو سب ہی قبول کر لیتے۔ پھر بھی اگر کسی کو اپنی رائے ہی پر اصرار ہوتا تو اسے بھی قلمبند کر لیا جاتا۔ اسی طرح بائیس سال کی طویل مدت میں تراسی ہزار دفعات پر مشتمل ایک کتاب فقہ تیار ہو گئی۔ یہ کام اگرچہ ۱۴۴ھ سے قبل ہی ختم ہو گیا تھا تاہم اس کا سلسلہ چلتا ہی رہا۔ تا آنکہ آپ گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے اور اس مبارک کام کا سلسلہ وہاں بھی قائم رہا۔ پوری امت کا فرض ہے کہ اس عظیم کارنامہ کی تکمیل پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے امام اعظم کے حق میں دست بدعا رہے۔

الامام الاعظم کے اس فقہی کارنامہ کی عنداللہ مقبولیت کا اندازہ اس سے لیا جا سکتا ہے کہ آج ایک محتاط اندازے کے مطابق عالم اسلام کا دو تہائی حصہ اسی فقہ کی تقلید کرتا ہے۔

اوصاف حمیدہ

اسلام کے اس سواد اعظم کی ذاتی خوبیوں اور محاسن اور کمالات کے تذکرے کے لئے دفاتر در کار ہیں۔ لیکن بات ختم کرنے سے قبل جی چاہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ تذکرہ ان خوبیوں کا بھی آ جائے جو الامام الاعظم کی ذات میں قدرت کے فیاض ہاتھوں نے ودیعت فرمائے تھے ——

آپ فطرۃً حسین و جمیل تھے۔ حسن و جمال کے ساتھ ذکاوت و ظرافت کا علاقہ تو ہمیشہ ہی سے قائم ہے لیکن حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کم جمع ہوتے ہیں۔ الامام الاعظم میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی بھی رکھی تھی۔ آپ نہایت ملنسار، خوش گفتار اور باوقار تھے۔ خودداری کی زندگی گذارتے تھے، دولت تو آپ کے گھر کی چیز تھی لیکن نخوت و کبر کی بو بھی آپ میں نہ تھی۔ غریبوں کے مددگار اور بے سہاروں کا سہارا تھے۔ خصوصاً طلبہ کی دیکھ بھال اور ان کی حوائج و ضروریات کی برابر فکر فرماتے رہتے تھے۔ جن خوش نصیبوں کو آپ کے زیر کفالت علم حاصل کرنے کا موقع ملا ان میں آپ کے مایہ ناز شاگرد امام محمدؒ بھی ہیں جو امام محمد جن کی سیر کبیر کو پڑھ کر ایک غیر مسلم اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں کے چھوٹے محمد کا علم و فضل میں یہ حال ہے تو ان کے بڑے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کیا حال ہوگا؟ اور ہم کہتے ہیں شاگرد کے علم و فضل کا یہ عالم ہو کہ ایک غیر مسلم ان کی تحریروں کے ذریعہ نور ایمان سے سرفراز ہو جائے تو استاذ کے علم و فضل کا کیا حال ہوگا؟ آپ کی صفات حسنہ میں امانت و دیانت، پڑوسیوں سے حسن سلوک، والدین اور اساتذہ کے احترام کو امتیازی درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح شب بیداری اور تہجد گزاری، کثرت تلاوت، کثرت صوم، تدبر فی القرآن، مراقبہ موت و فکر آخرت، باطعام سے کا اہتمام، زہد و تقویٰ میں بھی آپ کی مثال کم ہی ملے گی۔

ایام آخریں

دنیا میں نہ کوئی ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہے نہ رہے گا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس دنیا

سے ایک مدت کے بعد پردہ پوش ہو گئے وہ اور وں کا کیا شمار ۔ بہر حال الامام الاعظمؒ کے ملنے بھی ایک وقت مقرر تھا اور ہر اللہ تعالیٰ ۔ اس عظیم عبقری شخصیت سے جو کام لینے کا ارادہ فرمایا تھا اس کی بھی تکمیل ہو رہی تھی موت کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ چاہیے ۔ ۱۴۹ھ میں جب خلیفہ منصور نے الامام الاعظمؒ کے سامنے قضاۃ کا عہدہ پیش کیا تو آپ نے انکار کر دیا ۔ اس انکار کی وجہ یہ بھی تھی کہ اس دور میں ظالم بادشاہ نے عدلیہ پر اپنا کنٹرول کر رکھا تھا اور قضاۃ کو فیصلہ کی آزادی حاصل نہیں تھی ۔ انہیں ظالم و مظلوم ، حق دار یا غیر مستحق کی تمیز کے بغیر حکام کے اشاروں پر فیصلے کرنے ہوتے تھے ۔ جب آپ نے انکار فرما دیا تو منصور کو بہانہ ہاتھ آ گیا اور اس نے آپ کو گرفتار کروا کے جیل بھیج دیا جب آپ کی گرفتاری کی شہرت ہو گئی تو لوگ اسی حال میں جمع ہونا شروع ہو گئے اور جیل خانہ ہی میں افادہ و استفادہ کا سلسلہ شروع ہو گیا چار سال الامام الاعظمؒ اس ظلم و استبداد کا شکار رہے ۔ روزانہ آپ کو کوڑے لگا کر عہدۂ قضاۃ کی قبولیت پر مجبور کیا جاتا ۔ مگر اس سلسلہ میں آپ تو اولو العزم تھے اور تمام حالات کا سامنا کرنے مگر عہدہ قبول نہ کرنے کا تہیہ کر چکے تھے ۔

ادھر دل بدل الامام الاعظمؒ کی مقبولیت جیل میں مقید ہونے کے باوجود بڑھتی ہی جا رہی تھی ۔ اس واقعہ نے آپ کی عظمت و اکرام ، عقیدت و احترام کو مزید تر کر دیا ۔ اس لئے منصور کو کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا ۔ بالآخر اس نے الامام الاعظمؒ کو زہر دلوا دیا ۔ آپ کو جب اس کا علم ہوا تو سجدۂ شکر بجا لائے اور جان جانِ آفریں کے سپرد فرما دی ۔

وفات

یہ حادثہ فاجعہ ماہ شوال ۱۵۰ھ بروز جمعہ کو پیش آیا ۔ الامام الاعظمؒ کی وفات کی خبر دیکھتے دیکھتے سارے شہر میں پھیل گئی لوگ جوق در جوق جمع ہونے لگے ۔ آپ کے ایک استاد نے باچشم نم آپ کو غسل دیا اور انھوں نے ہی آپ کی پہلی نماز جنازہ پڑھائی جس میں پچاس ہزار آدمی شریک تھے ۔ اس کے بعد پانچ مرتبہ اور نماز پڑھی گئی ۔ آپ کی قبر شریف آپ ہی کی وصیت کے مطابق خیزراں کے مقبرہ میں بنائی گئی تیں دن تک مسلسل جماعت کے رونے کی آوازیں آ رہی تھیں ۔ آپ کی مزار پر بعد میں بعض سلاطین نے مقبرہ تعمیر کیا ۔

خراج عقیدت

عالم اسلام کی جن ممتاز شخصیتوں نے الامام الاعظمؒ کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اس کی چند مثالیں بھی ہدیۂ ناظرین ہیں

☆ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں "زہد و تقویٰ اور علم میں امام ابو حنیفہؒ اس مقام پر ہیں جہاں کوئی نہیں پہنچ سکا" ☆ امام مالکؒ فرماتے ہیں "ابو حنیفہؒ کو کیا سمجھتے ہو وہ بڑے فقیہ ہیں ۔ ابو حنیفہؒ اپنی قوت استدلال سے پتھر کے ستون کو سونے کا ثابت کر سکتے ہیں" ☆ امام شافعیؒ فرماتے ہیں "جس شخص نے امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کو نہیں دیکھا وہ عالم فقہ نہیں ہو سکتا" ☆ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہؒ سے اگرچہ بعض لوگوں کو اختلاف ہے لیکن ان کی فہم اور فقہ میں کوئی شک نہیں ۔ کچھ لوگوں نے ان کی تذلیل کے لئے ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو بالکل جھوٹی ہیں" ☆ سفیان بن عیینہ "ہم سمجھتے تھے کہ ابو حنیفہؒ کا فقہ کوفہ سے باہر نہ نکل سکے گا ۔ مگر ہم نے دیکھ لیا کہ وہ آفاق میں پہنچ گیا ہے" ☆ حارث بن داؤدؒ "اہل اسلام پر امام ابو حنیفہؒ کے حق میں دعا کرنی لازم ہے کیوں کہ انھوں نے آثار و احادیث کو ہمارے لئے محفوظ کر دیا ہے ۔ اگر کسی کو احادیث و آثار کی باریکیاں جاننی ہو تو اس کے لئے ابو حنیفہؒ ہیں" ☆ امام بخاریؒ کے استاد مکی ابن ابراہیم فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم و زاہد ہیں ۔ میں کوفہ کے علماء کی مجلسوں میں بیٹھا ہوں لیکن میں نے کسی کو امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر متقی نہیں پایا ۔

حقیقت اعتراضات

یوں تو اہل دنیا کے اعتراضات سے حضرات انبیاءؑ کے نفوس قدسیہ و ذوات عالیہ بھی محفوظ نہ رہ سکیں ۔ اوروں کا کیا شمار و قطار ؟ اس لئے یہ مسئلہ کچھ بحث قابل اعتناء نہیں ۔ تاہم اگر ہم الامام الاعظمؒ کے ناقدین و معترضین کا سرسری جائزہ لیں تو ان میں اکثر وہ ہیں کہ جن کے اعتراضات کی حقیقت الامام الاعظمؒ کی سبقت و اولیت ان کے فقہ کی اہمیت ، ان کے لئے امامت مطلقہ کی خصوصیت ، عالم اسلام کے ایک بڑے حصہ میں ان کے مسلک کی ترویج و قبولیت پر حسد ہے

عند المعلم ہے۔ یا وجیں ساتھ اس میں ایک مجموعی سی تعداد ایسے ناقدین کی بھی ہے جس کے اعتراض وتنقید سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن علمائے احناف کے متقدمین ومتاخرین ملکہ غیر حنفی مصنفین ومحققین نے بھی ان بزرگوں کے اعتراضات کو تحقیق وانصاف کی میزان میں رکھ کر مدلائل واضح ثابت کر دیا کہ اس کا سبب صرف الامام الاعظمؒ کی جلالت علمی ومنصب دینی سے ان کی بے خبری، وہم کیست وہم نام معاصرین کی زیادتی، اعداء وحاسدین کی قلمی ولسانی بے باکی تھا جو ان حضرات کی الامام الاعظمؒ کے بارے میں غلط فہمی وبدظنی کا باعث ہوا۔

هذا ما اعرف وافهم ، واللّٰہ تعالیٰ اعلم واحکم

❑❑❑